لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

قرآن کا معجزہ

یہ عظیم ادارہ جس کی تاسیس پر دسیوں سال گزر چکے ہیں میں آپ سے کہتا ہوں (جب کہ رنج وافسوس میرے دل کے ٹکڑے کر رہا ہے) کہ ہم عرب ممالک بلکہ اور بہت سے اسلامی ممالک میں ان اداروں میں میں نے (جن پر کئی نسلیں گزر گئی ہیں) وہ روح نہیں پائی جو اس ادارہ میں ہے، ہمارے یہاں ایک ادارہ قائم ہوتا ہے اور ایک نسل بھی نہیں گزرتی کہ وہ ٹوٹنے لگتا ہے، اس کے اجزا منتشر ہونے لگتے ہیں اور وہ پیوندِ زمین بن کر رہ جاتا ہے لیکن آپ کے اس کوہ پیکر قلعہ میں ہم اداروں کی حقیقی روح پا رہے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ کئی دہائیاں اس پر گزر چکی ہیں لیکن یہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ادا کر رہا ہے اور علم پھیلا رہا ہے، حیرت ہے کہ اس دیار میں عرب آئیں اور اگر عربی زبان بولیں اور پھر وہ زبان بسہولت سمجھی جائے۔ درحقیقت یہ قرآن کا معجزہ ہے یہ آپ کی ثابت قدم اور مجاہد روح ہے، میں آپ کو عزت واحترام کا سلام کرتا ہوں۔

ڈاکٹر محمد فتحی عثمان

(جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض)

۱۰ و ۲۵ مئی سنہ ۱۹۸۱ء سالانہ چندہ: بیس روپے اس شمارے کی قیمت: دو روپے

Regd No. LW/NP 56 Phone: 42948 / 49747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-228007 (INDIA)

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele: Add. CUPKETTLE
Phone SHOP: 862220
RESI: 378054

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

اسپشل مکسچر
اسپشل ممری
ہوٹل مکسچر
سوداگر مکسچر
کپ برانڈ
گولڈن ڈسٹ
فلاور بی، او، پی
سوپر ڈسٹ

مدارس عربیہ، اسکول اور کالج کے طلباء کو تقریر سکھانے والی ایک اہم کتاب

تقریر کیسے کریں؟ حصہ اول

از محمد کاظم ندوی

جس میں مختلف دینی موضوعات پر ۳۰ نئی تقریریں، ہر تقریر کا خطبہ الگ، زبان صاف ستھری اور دلکش انداز بیان۔ اپنے کسی قریبی کتب خانہ سے طلب کریں، یا براہ راست ہمیں لکھیں۔ قیمت: تین روپے 3/-
(نوٹ): تاجر حضرات کو خصوصی کمیشن، عام حضرات کو بھی رعایت دی جائے گی۔

تقریر کیسے کریں؟ (حصہ دوم) قیمت: چار روپے 4/-

ملنے کا آسان پتہ: مکتبہ ایوب، کاکوری، لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷

شربت نشاط افروز

گرمیوں کا بہترین تحفہ تازے پھلوں کے رس پھولوں کے جوہر اور قیمتی دواؤں سے تیار کیا جاتا ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
ان کے علاوہ خصوصی بہت سی

ڈرائی فروٹ برفی
بکس کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
شہر کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
فون 320050
بیکری ۳۴۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۱۰ و ۲۵ مئی ۱۹۸۱ء ۔۔۔ ۵ و ۲۰ رجب ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۱۳ و ۱۴

نرخِ تعاون

اندرونِ ملک	بیس روپے
فی پرچہ	ایک روپیہ
بیرونِ ملک ۔ بحری ڈاک ۔ جملہ ممالک	۵ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک	۷ پونڈ
افریقی ممالک	۸ پونڈ
یورپ و امریکہ	۱۰ پونڈ

ادارِیہ

مذاکرۂ علمی کی سفارشات

بین الاقوامی مذاکرۂ علمیہ میں جو سفارشات پیش ہو کر منظور ہوئیں ان کے عربی متن کا ترجمہ گزشتہ شمارہ میں پیش کیا جا چکا ہے، جن حضرات کی نظر سے یہ تجاویز و سفارشات گزری ہیں انھیں اندازہ ہوگا کہ ان سفارشات کو مرتب کرنے والے علماء ادب کی نگاہ میں وہ تمام مسائل اور مشکلات ہیں جن سے عربی زبان خصوصاً اور مسلمانوں کی دوسری زبانیں عموماً دوچار ہیں، انھوں نے اپنی مثبت تجاویز میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ زبان اپنی اصل خصوصیات کے ساتھ باقی رہے اور جب تک باقی رہے اسلام سے وابستہ رہے، وہ واقف ہیں کہ زبان و ادب کی کیا طاقت ہے۔ اس طاقت کے بل بوتے پر پوری پوری قوم کی ذہنیت بدل دی جا سکتی ہے، دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر ہٹلر کو جو تاریخی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، اس کا سبب ۷۵ فی صد جرمن ادباء کا تعاون اور وسائلِ معلومات پر نازیوں کا قبضہ تھا، ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۷۰ء تک مصری قیادت نے صرف زبان اور پروپیگنڈے کی طاقت سے پورے عالمِ عرب کو مسلمانوں سے کاٹ کر جدا کر دیا، عرب قومیت کو اسلام کے تقدس کا قلادہ پہنا دیا گیا، ایک سحر تھا جو بحرِ محیط سے خلیجِ عربی تک چھایا ہوا تھا، جب یہ نشہ اترا، اور وقت نے اس مصنوعی جوش و خروش کی حد بندی کی تو معلوم ہوا کہ الفاظ کا ایک غبارہ تھا جس کے اندر سے ہوا نکل گئی، الفاظ کی سحر کاری تھی جس نے نصف النہار کو نجمِ شب کی تاریکی باور کرا دیا تھا، اور لوگ دیوانہ وار اس کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ خمینی صاحب نے بھی اپنی جلاوطنی کے مقامات عراق اور فرانس میں بیٹھ کر اپنے مواعظ کے ذریعہ ایرانیوں کی قیادت کی جس کے نتائج ابھی تازہ ہیں۔

آج زبان و ادب کی زمامِ کار کمیونسٹوں کے ہاتھ میں ہے، ہم مانیں یا نہ مانیں ہمیں یہ بات پسند آئے یا نہ آئے، لیکن واقعہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ نہ صرف عربی بلکہ تمام زبانوں کے کلیدی خزانے پر یا تو یہودی بیٹھے ہیں یا پھر ان کی بگڑی ہوئی شکل ۔ کمیونسٹ، اور اس کے ذریعہ وہ پوری نسلِ انسانی کی تباہی اور جہاں سوزی کا پلان بنائے ہوئے ہیں، اخلاق و روحانیت کے تمام سانچوں کو توڑ کر جنس و شکم کی بھوک تیز کرنا اور ان کو عوام کے اعصاب پر حاوی کرنا ان کا مقصد ہے، اس کے مقابلہ میں مسلمان اب تک الفاظ کے طوطے مینا بنانے کو ادب سمجھے ہوئے ہیں، اخلاق و روحانیت کی قدریں ادب کی دنیا سے جلاوطن ہیں یا انھیں تبرکات کا درجہ دے دیا گیا ہے، ادب و بلاغت کے مجموعے ان سے خالی ہیں یا اگر ہیں تو صرف حصولِ برکت کے لئے ان سے کتابوں کی ابتداء کر لی جاتی ہے جس طرح مسلمانوں کے سیاسی و اجتماعی جلسوں کی ابتداء تلاوتِ قرآن پاک سے ہوتی ہے، ادبیات کا جو سرمایہ مسلمانوں کے پاس موجود ہے اس میں یہ طاقت ہے کہ مصنوعی ادب کے طلسم کا کاٹ کر سکے، اور دنیا کے لئے خیر و برکت، امن و سلامتی لائے اور توازن و اعتدال کے ساتھ جمالیاتی ذوق کی تربیت کرے، اس ادب کو اپنی اصلی جگہ ملنا چاہیئے، زبان کے ذریعہ وسائلِ معلومات پر قبضہ کیا جا سکتا ہے اور جدید سائنس اور ٹکنالوجی نے جو راستے کھول دیئے ہیں ان کے استعمال کا سب سے زیادہ حقدار اسلامی ادب ہے کیونکہ یہ تعمیر کا داعی ہے، تخریب پسند تحریکوں کا دشمن ہے۔

دوسری طرف دشمنانِ اسلام کی سازشیں بھی ان علماء ادب کے پیشِ نظر تھیں جنھوں نے یہ تجاویز مرتب کی ہیں، مسلمانوں کی متعدد زبانوں سے عربیت کی روح نکال دی گئی ہے، ترکی، انڈونیشی، سواحلی، زبانیں جو پہلے عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھیں ان کو اب رومن حروف میں لکھا جاتا ہے، خود عرب ممالک کے عیسائی اور ان سے متاثر مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے اہلِ قلم اس بات کی آئے دن دعوت دیتے ہیں کہ عربی زبان بھی لیٹن حروف میں لکھی جائے، اس مہلک دعوت کو جو عربوں کے لئے خودکشی کی دعوت سے کم نہیں رد کرنا اور اس کا مقابلہ کرنا باحمیت مسلمانوں کا کام ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اس ایک سمینار سے یہ تمام مشکلات دور ہو گئیں، یا ان سفارشات کے منظور ہوتے ہی تمام مسائل حل ہو گئے، ایک غیر عرب ملک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور دہشت اور موت کے سائے میں سانس لے رہے ہیں، جن سے خود ان کی زبان چھین لی گئی ہے اور عربی زبان کے لئے جو ۲۲ حکومتوں کی سرکاری زبان ہے کیا کر سکتے ہیں، لیکن یہ بھی نظامِ قدرت ہے

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمایئے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی کے ذریعہ چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs.23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

مسکینوں اور کمزوروں کے ساتھ محبت و نرمی[1]

مولانا عبد الحی حسنیؒ

آیات:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (سورہ کہف آیت ۔ ۲۸)

اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گذر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ آرائشِ زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ۔ (سورہ انعام آیت ۔ ۱۵۲)

اور تم یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا، مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی تک پہنچ جائے۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ (سورہ الضحیٰ آیت ۹۔۱۰)

تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہم چھ آدمی تھے، کفار نے کہا کہ ان لوگوں کو ہٹا دیجئے کہ ہم پر جری نہ ہو جائیں، ان چھ آدمیوں میں ۔۔ ابن مسعود، ایک آدمی بنو ہذیل کا، بلال، اور دو آدمی اور تھے جن کا نام یاد نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا جو منجانب اللہ منظور تھا، چنانچہ فوراً آیت نازل ہوئی، وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ۔ (اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کو دھتکارو نہیں)۔ (مسلم)

حضرت عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو سفیان، حضرت سلمان، صہیب، اور بلال کے پاس آئے جو کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے، ان حضرات نے کہا کہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تلواروں نے اپنا پورا جوہر نہیں دکھایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے کہا کہ کیا تم قریش کے بزرگ اور سردار سے اس طرح کی بات کہتے ہو! پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے فرمایا! ابوبکر، شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا تو تم نے اپنے خدا کو ناراض کر دیا، پھر حضرت ابوبکرؓ ان حضرات کے پاس آئے اور پوچھا میرے بھائیو! کیا آپ لوگ ناراض ہوئے ہیں؟ ان حضرات نے جواب دیا نہیں میرے بھائی خدا تمہیں معاف کرے۔ (مسلم)

حضرت مصعب بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ دوسروں پر فائق ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تمہارے کمزوروں ہی کے سبب تمہاری مدد کی جاتی ہے اور رزق ملتا ہے۔ (بخاری)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم مجھے کمزوروں میں تلاش کرو، تمہارے کمزوروں ہی کے سبب تمہاری مدد کی جاتی ہے اور رزق ملتا ہے۔ (ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیواؤں اور محتاجوں کی دیکھ بھال کرنے والا ایسا ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، اور مجھے خیال ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ شب زندہ دار اور مسلسل روزہ رکھنے والے کے مانند ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے برا کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس سے محتاجوں کو روکا جائے اور آسودہ لوگوں کو بلایا جائے جس نے دعوت نہ قبول کی اس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی۔ (مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ہوں گے، آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کا اشارہ کر کے فرمایا اور دونوں کو کھلا ہوا رکھا۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو بچیوں کی پرورش کی حتی کہ وہ بالغ ہو گئیں، قیامت کے دن میں اور وہ ساتھ آئیں گے آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا کہ اس طرح۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک عورت سوال بن کر آئی اس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں، ایک کھجور کے سوا اس کو میرے پاس کچھ نہ ملا میں نے کھجور اس کو دے دیا، اس نے کھجور کو آدھی آدھی کر کے ان دونوں لڑکیوں کو تقسیم کر دیا۔ خود کچھ بھی نہ کھایا، پھر اٹھ کر چلی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا جو شخص ان لڑکیوں کی آزمائش میں ڈالا گیا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تو یہ لڑکیاں جہنم کی آگ سے اس کے لئے پردہ بن جائیں گی۔ (متفق علیہ بالفاظ بخاری)

پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ بہی خواہی

آیت:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ (سورۂ نساء آیت ۔ ۳۶)

اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت جبرئیلؑ پڑوسی کے بارے میں مجھ سے برابر فرماتے رہے، حتی کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ اس کو میری وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا، خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مومن نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا اللہ کے نبی کون؟ آپ نے فرمایا جس کے شر سے اس کا پڑوسی مامون نہ رہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھے چاہے بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو (یعنی

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

[1] کمزوروں میں یتیم، لڑکیاں، بیوائیں، فقراء، شکستہ دل بھی شامل ہیں۔

مذاکرہ ادبیات اسلامی کے اردو سیکشن میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی افتتاحی تقریر

حضرات!

یہ ادیبوں کی محفل ہے۔ آپ سب ادب کے طالب علم رہ چکے ہیں اور اب ادب کے شارح و ترجمان ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی چیز کو مختصر کیا جائے تو وہ ایک نقطہ ہے اور اگر اس کو پھیلا دیا جائے تو وہ ایک خط ہے، صفحہ ہے، کتاب ہے، اور ایک عالم کا عالم ہے۔ ادب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور جس مقصد سے یہ سیمینار بلایا گیا اس کا بھی حال یہی ہے میں اس وقت ایک ادبی محفل میں ہوں اس لئے میں غالب ہی کے ایک شعر سے مدد لوں گا، غالب کہتے ہیں ؎

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

رونے اور ہنسنے کی کوئی قومیت یا وطنیت نہیں ہوتی اور نہ اس کو نہی چاہیئے بلکہ سچا ہنسنا اور سچا رونا وہ ہے جو فن سے عاری ہو، جس میں تصنع نہ ہو، کوئی روتا ہے تو درد سے بے قرار ہو کر، کوئی ہنستا ہے تو کسی مسرت کی بنا پر، یہ اندر کا جذبہ ہے، اسی لئے رونے اور ہنسنے کے لئے اندر کا جذبہ چاہیئے اور وہ رونا رونا کہلانے کا مستحق نہیں جس کو ابھارنے والی اندر کی کوئی چیز نہ ہو، اور وہ ہنسنا ہنسنے کا مصداق نہیں ہے جو کسی کی فرمائش سے ہو، ادب کا معاملہ بھی یہی ہے کہ ادب کی نہ کوئی قومیت ہے نہ وطنیت ہے نہ جنسیت ہے، اور نہ وہ خاص اصطلاحات کا پابند ہے نہ خاص ضوابط کا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود ادیبوں نے جنھوں نے اپنی زندگیاں ادب کے لئے وقف کیں اور اپنی بہترین صلاحیتیں اس کے لئے مخصوص کر دیں۔ انھوں نے ادب کے سمندر کو کسی آب جو میں تصور کیا، ادب، ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے بات اچھی طرح کہہ دی، سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور اس کو قبول کرے، میں نے کل عربی سمینار میں کہا کہ کیا ظلم ہے، حسن پسندی تو یہ ہے کہ حسن جس شکل میں ہو اس کو پسند کیا جائے بلبل کو آپ پابند نہیں کر سکتے کہ اس پھول پر بیٹھے اُس پھول پر نہ بیٹھے، لیکن یہ کہاں کا حسن مذاق ہے اور یہ کہاں کی حسن پسندی ہے کہ اگر گلاب کا پھول کسی میخانہ کے صحن میں اس کے زیر سایہ کھلے تو وہ گلاب ہے اور اس سے لطف اٹھایا جائے اور اگر کسی مسجد کے چمن میں کھل جائے تو پھر اس میں کوئی حسن نہیں۔ کیا یہ جرم ہے کہ اس نے اپنے نمود، اپنی جلوہ نمائی کے لئے مسجد کا سہارا لیا۔ اقبال کا شعر تو ان کے سامنے نہیں پڑھ سکتا تھا، مگر آپ کے سامنے پڑھ سکتا ہوں ؎

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

ہمیں حسن بے پروا سے مطلب کہ شہر و صحرا سے؟ تو ادب کے ساتھ معاملہ یہی کیا گیا۔ اجازت دیجئے تو فارسی کا شعر بھی پڑھ دوں ؎

دل بجنبش لب شکوہ وا نہ کند
شیشہ تا نہ شکند صدا نہ کند

اگر شیشہ کی آواز سنئے تو سمجھئے کہ وہ ٹوٹا ہے، تو یہ ٹوٹتے ہوئے دل ایک ٹوٹے ہوئے ساغر کی صدا ہے، صدائے احتجاج ہے کہ ادیبوں اور ادب کی بارگاہ میں یہ شرط کر دی گئی کہ فلاں قسم کی وردی پہن کر آئیے۔ رسمیات سے سب سے زیادہ بے پرواہ ادب ہے، اس کو ہرگز یہ قبول نہیں کہ وہ فلاں وردی پہن کر آئے اور فلاں زبان بولتا ہو، وہ جہاں بھی ہے ادب ہے، اگر وہ پھٹے پرانے کپڑے میں بھی ہے تو ادب ہے اور خوشنشیں پر بیٹھانے اور ذہن نشین بنانے کے قابل ہے، اور اگر وہ بادشاہوں کا لباس پہن کر آئے لیکن اس کو اپنے مطلب کو صحیح طرح سے ادا کرنے کا سلیقہ نہ ہو تو وہ ادب نہیں ہے۔ ادب اس لئے ادب نہیں ہو جاتا کہ وہ کسی انگریزی داں نے ادا کیا، کسی ترقی پسند نے ادا کیا، شعبۂ ادب کے کسی چیرمین اور پروفیسر نے ادا کیا، صدر نے ادا کیا، وہ ادب ادب ہے خواہ اس کو آپ سائل کی صدا میں سُن لیں، کسی غریب کی فریاد میں سُن لیں، کسی ماں کو اپنے بچے کو سلاتے ہوئے لوری سنانے میں سُن لیں، کسی خداشناس کے نالۂ نیم شبی میں سُن لیں، جو صرف خدا ہی کو سنانا چاہتا تھا، اتفاق سے آپ نے سُن لیا اس لئے ادب جس شکل میں ہو، جس زبان میں ہو اور جس شخص کی زبان سے ادا ہو وہ ادب ہے۔

لیکن ادب کے ساتھ معاملہ یہ کیا گیا (ادھر پچھلے دور میں خاص طور پر) ادب کے لئے شرط یہ قرار دی گئی کہ تھوڑا سا مذہب کا مذاق بھی اڑاتا ہو، وہ ادب مستند نہیں جو کبھی کبھی چٹکی نہ لیتا ہو، مگر آپ سے پوچھتا ہوں کہ مذاق اڑانے اور چٹکی کا ادب سے کیا تعلق ہے؟ ہو سکتا ہے کہ چٹکی لینے والا ادیب ہو، میں اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن ادب کے حدود میں ادب کی تعریف میں یہ داخل نہیں ہے کہ وہ چٹکی ضرور لے۔ یہ ادیبوں کے مزاج پر موقوف ہے، ان کے رجحانات پر موقوف ہے، ان کے ماحول اور تربیت پر موقوف ہے، ادیب غلطی بھی کرتا ہے ادیب صحیح بات بھی کہتا ہے، لیکن اس کا ادب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ادیب سے تعلق ہو سکتا ہے لیکن اب اس دور میں یہ شرط کر دی گئی کہ جب تک آدمی ترقی پسندی کی باتیں نہ کرتا ہو، جب تک قدیم چیز کا مذاق نہ اڑاتا ہو جب تک مذہبی صحیفوں پر بھی کوئی چھینٹ نہ ڈال دیتا ہو اس وقت تک وہ ادب نہیں۔ میں صاف کہتا ہوں اور دبستان ادب کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ادب کی سب سے پہلے زیارت جو نصیب ہوئی وہ آسمانی صحیفوں میں نصیب ہوئی، ادب تھا کہاں؟ لیکن جب خدا نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کو زبان دی اور ان پر جانی کے ساتھ الفاظ وارد کئے تو معلوم ہوا کہ ادب اسے کہتے ہیں، ادب کی تاریخ میں آسمانی صحیفوں سے پہلے ہمارے پاس کوئی دستاویزی ثبوت نہیں۔ اگر ہو کسی کے پاس تو بتائے، کہ ادب کب آیا؟ ادب سے دنیا متعارف کب ہوئی؟ پہلے آسمانی صحیفوں کے ذریعہ، پھر قرآن مجید نے آکر تو اس پر ہمیشہ کے لئے مہر لگا دی۔ "نزل به الروح الامین علیٰ قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین"۔ ادب کا پایہ کتنا بلند کیا خدا نے کہ اپنی کتاب کی تعریف ادب کے ساتھ کر رہا ہے، یعنی یہ کہ وہ معجزہ ہے، اور "لسان عربی مبین" میں ہے، حالانکہ خدا سے زیادہ بے نیاز ذات کسی کی نہیں، لیکن اس نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے جو بہتر سے بہتر پیرایہ ہو سکتا ہے اس کو استعمال کیا۔

عرب ممالک کے اس وقت چیدہ ادب و نقاد موجود ہیں۔ ان کے سامنے بات آئی تو انھوں نے اس کا اعتراف کیا کہ یہ پہلا موقعہ ہے کہ ادب پر اتنا بڑا سیمینار کسی جگہ ہو رہا ہے، یہ جرأت اس لئے کی کہ عرب ممالک میں بھی یہ حادثہ پیش آیا کہ وہاں بھی ادب کی اجارہ داری ان لوگوں کے حصہ میں آئی جن کے متعلق کم سے کم یہ الفاظ کہے جا سکتے ہیں کہ وہ دین و دینی افکار سے اگر باغی نہیں تو متوحش تھے مصر کے ادبا ازہر کو مانتے تھے لیکن اس حد تک مانتے تھے کہ اس کے فضلا ہماری نحوی غلطی نکال سکتے ہیں، یہ ان سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نحوی غلطی نہ نکال لیں، لیکن ادب کو بالکل اپنی ملکیت سمجھا، ادھر پچاس برس میں ایسے اسلامی الفکر ادیب پیدا ہوئے

جنھوں نے ادب کو دعوت کا ذریعہ بنایا اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آپ جس جگہ جمع ہیں اس بے سروسامانی کی حالت میں اور جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے غریب الدیار ہو کر اس کی جرأت کی گئی کہ اپنے خیالات کو ادا کرنے کے لئے طاقتور سے طاقتور زبان، دل آویز سے دل آویز زبان پیدا کی جائے اور الحمد للہ اس میں اس حد تک کامیابی ہوئی کہ خود ادباء عرب نے اس کا اعتراف کیا۔ تو اس دعوت کے لئے اور اسلام کی برتری ثابت کرنے کے لئے اور ذہنوں میں ایک حرکت پیدا کرنے کے لئے ہندوستان میں جو چیزیں لکھی گئی ہیں اور یہاں کے رسائل "البعث الاسلامی" اور "الرائد" میں جو مضامین شائع ہو رہے ہیں اس میں ہمارے مرحوم بھتیجے محمد الحسنی مرحوم کا بہت بڑا مقام ہے کہ اللہ نے اس شخص کے قلم کو اتنی طاقت دی تھی کہ اس میں آبشار کا زور تھا کہ وہ زور سے گرتا ہے اور شور کرتا ہے اور اس کی طغیانی و روانی سے ہر عرب اہل ذوق کو حسرت ہوتی ہے کہ اس عجمی کے قلم میں یہ طاقت کہاں سے آگئی اور وہ حقیقت میں نتیجہ تھا کہ اس نے تصوف کا بھی تھوڑا بہت اثر پایا اور اقبال کو پڑھا اور اپنے گھر کی روایات کا ورثہ پایا۔ ان سب چیزوں سے مل کر ایک خاص زبان پیدا ہو گئی جس کو بعض لوگوں نے کہا کہ یہ ندوی اسلوب ہے کہ الحمد للہ اس بارے میں ہمارے مصری فاضل پروفیسر فتحی عثمان نے پہلے جلسے میں جس جوش و خروش کے ساتھ ہندوستان کے علماء و ادباء کی خدمات اور ان کی عربی دانی کا اعتراف کیا وہ آپ کو معلوم ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے آپ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے ہم آپ کے شاگرد ہیں، ہم یہاں عربی زبان کے قلعہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم نے شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ پڑھی، ہم نے مولانا سید سلیمان ندوی کے خطبات مدراس کا عربی ترجمہ الرسالۃ المحمدیۃ پڑھی، ہم نے مولانا مسعود عالم ندوی کی فلاں کتاب پڑھی ہم تو آپ کی لکھی ہوئی چیز کو آنکھوں سے لگاتے ہیں اور پڑھتے ہیں، یہاں ایک تجربہ شروع کیا گیا کہ ہم عربی زبان میں کیوں نہ تجربہ کریں۔ اللہ نے ہمیں کچھ حقیقتوں پر یقین عطا فرمایا ہے، کچھ دلوں کا درد دیا ہے ہم عربوں کو دیکھتے ہیں کہ خود دین سے ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔ اس جذبہ کو ضرورت تھی طاقت ور زبان کی اور دل آویز بیان کی، یہ محض خدا کا فضل تھا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور یہاں یہ چیزیں لکھی گئیں۔

باقی جہاں تک اردو ادب کا تعلق ہے اس وقت بھی ہندوستان اور پاکستان کو ملا کر اگر کوئی اسلوب علمی زبان کے لئے اور علمی حقائق کے لئے موزوں ترین اور زندہ ہے تو وہ علامہ شبلی کا ہے۔ میں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلہ میں ہندوستانی علماء اور ہندوستان کے دینی حلقہ کو دو خصوصیات حاصل ہیں، ایک تو یہ کہ وہ یہاں کی سیاسی بیداری کی تحریک اور ملک کی آزادی میں صرف شریک نہیں رہے بلکہ اس کی قیادت کی، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور علماء دیوبند اور ندوہ اور خود اور خود مولانا شبلی کے مضامین جو "الہلال" میں شائع ہوئے ملاحظہ فرمائیں، ایک خصوصیت تو یہ ہے جس پر ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ یہاں کی سیاسی تحریک کا ہراول دستہ یہاں کے علماء تھے۔

اور حقیقت میں تحریک آزادی میں زور اس وقت پیدا ہوا ہے جب علماء نے اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ جب مولانا ابوالکلام آزاد جیسے خطیب و ادیب اور صحافی نے تحریک کو اپنے ہاتھ میں لیا، سیاست تو مرجھائی مرجھائی شرمائی شرمائی سی تھی، ان لوگوں نے اس میں جوش اسرافیل کا زور پیدا کر دیا۔ حقیقت میں سیاسی تحریک عوامی تحریک اس وقت بنی جب علماء نے قدم رکھا ہے سیاست میں اور اس کو دین کے ساتھ ملایا جب مولانا آزاد نے ترک موالات کے لئے قرآن مجید سے اور حدیث سے دلائل پیش کئے، اور جب کراچی میں وہ تقریر کی جس کی صدائے بازگشت آج تک سنی جاتی ہے اور جب وہ بقول کسی لکھنے والے کے کہ جب وہ شیر کی طرح گرجتے اور بلبل کی طرح چہکتے تھے، مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء نے دین کی زبان مذہب کی زبان استعمال کی۔

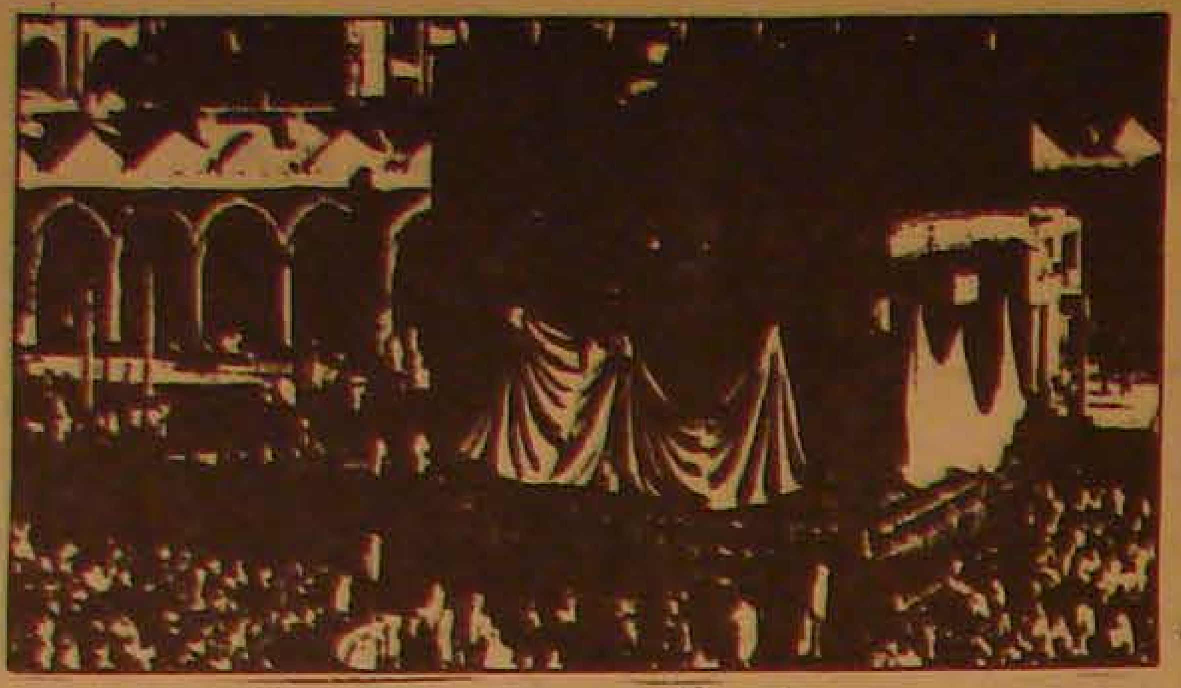

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں کی ادبی تحریکات اور یہاں کی ادبی زندگی میں علماء نے بڑھ چڑھ کر اور بنیادی حصہ لیا، چنانچہ سب کہتے ہیں کہ اردو ادب کے چار ستون ہیں مولوی محمد حسین آزاد دہلوی، خواجہ الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا شبلی۔ آپ دیکھیں گے کہ چاروں اسی تعلیم کے پروردہ تھے۔ مدرسے کے پڑھے ہوئے اور علماء کے شاگرد تھے اور جہاں تک مولانا شبلی اور ڈپٹی نذیر احمد کا تعلق ہے وہ تو مستند عالم تھے ایک قرآن کے مفسر ہیں تو دوسرے سیرت نگار اور ایسے ہی خواجہ الطاف حسین حالی پورے دینی حلقہ کے آدمی تھے۔

اب ادھر کچھ دنوں سے پھر اس کا اندیشہ پیدا ہونے لگا تھا کہ ادب پر ایک خاص طبقہ کی اجارہ داری پیدا ہو جائے، یہ ادب کی مؤثر شخصیتیں ہیں جیسا کہ آپ کو مقالات سے معلوم ہوا کہ ہم چاہتے تھے کہ وہ ادب بھی آئیں کہ جن کی بارگاہ ادب میں کسی مولوی کی آواز نہیں پہنچ سکتی، کسی مولوی کی اذان تو پہنچ جائے گی۔ مجبوری ہے پاس مسجد ہوتی ہی ہے اور بہرحال مسلمانوں کے گھر، لیکن کسی مولوی کی آواز نہیں پہنچ سکتی، پرانا مقولہ ہے "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" یہ مدرسہ میں ہمارا شعر کون لے گیا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ حقیقی اور فطری ادب بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اندر مذہبی حقائق پر کچھ ایمان نہ ہو اور دل کے اندر کچھ درد نہ ہو۔ کیا بات ہے! مولانا جلال الدین رومی، شیخ سعدی، مولانا جامی اور قدسی اور ہندوستان میں میر درد اور مرزا مظہر جان جاناں اور آخر میں اقبال کے پایہ کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا، یہ سب اس قدیم نظام تعلیم کے پروردہ اور مذہبی حقائق پر یقین رکھتے تھے، کچھ کر رہا ہوں تو وہ الگ بات ہے اور پھر اس کے بعد آخر میں اقبال کے پایہ کا شاعر کون ہے۔

مجھے یہاں آکر خوشی ہوئی، الحمد للہ ہمارا یہ شعبہ بھی بڑی توقع اور اندازہ سے زیادہ کامیاب ہے اور اگر اس سے پہلے اس کا اندازہ ہو جاتا تو ہم اس میں اور زیادہ اہتمام کرتے اور اس کی پبلسٹی بھی ہوتی۔ الحمد للہ مقالات کی حیثیت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی اور تعداد کے لحاظ سے بھی ہمارے سیمینار کا یہ شعبہ بھی کامیاب ہے۔ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور خود مبارکباد قبول کرتا ہوں۔ میں اور آپ سب اس خوشی میں شریک ہیں کہ یہ سیمینار کامیاب رہا، میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ سب اپنی اپنی جگہ پہونچ کر بھی اس کی ترجمانی کریں اور یہ پیغام وہاں پہونچائیں۔ خدا کو منظور ہوا تو ممکن ہے اس سے بڑے پیمانے پر خالص اسلامی ادب پر پھر تقریب منعقد کریں۔ میں خاص طور پر مکرم سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب، پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی اور ڈاکٹر محمد اقبال انصاری، پروفیسر عطا کریم برق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان حضرات نے اول سے آخر تک دلچسپی اور صحیح رہنمائی کی۔ دار العلوم کے ان عزیزوں اور اس کا انتظام کرنے والوں خواہ وہ یہاں ہوں یا وہاں ہوں دل سے دعا نکلتی ہے۔ انھوں نے بہت ہی شائستگی کے ساتھ کہنا چاہئے ادب کے ساتھ ادیبوں کی خدمت کی، وہ آپ کی دعاؤں کے مستحق ہیں، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھائے۔ ان میں ہر ایک کو ادیب داعی بنائے۔ میں ان الفاظ پر اپنی گذارش ختم کرتا ہوں۔

علماء ہند کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف

ایک عرب فاضل کی زبان سے

ذیل میں ڈاکٹر محمد عثمان نجاتی (جامعۃ الامام محمد بن سعود اسلامیہ ریاض) کی اس تقریر کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جو انھوں نے بیرونی شرکاء اور جامعات کے وفود کے نمائندہ کے طور پر کی تھی، اور جس نے پہلے دن کے جلسۂ عام میں ایک گرمی اور جوش کی لہر پیدا کردی تھی اور دلوں پر عربی خطابت کا سکہ جمادیا تھا۔

خدا تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس کے رسول کریم پر درود و سلام بھیجتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم جو کچھ کہتے اور سنتے ہیں، اس کو ہمارے لئے مفید بنائے اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جن کی شان میں خدا نے فرمایا "الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب"۔ (جو بات غور و توجہ سے سنتے ہیں اور بہتر بات پر عمل کرتے ہیں درحقیقت وہی دانا و فرزانہ ہیں)۔

بار الٰہا! آپ کی محبت و طاعت پر یہ دل جمع ہوئے ہیں آپ کی شریعت کی نصرت و حمایت پر انھوں نے رشتہ جوڑا ہے اور آپ کا کلمہ بلند کرنے کا عہد کیا ہے بار الٰہا ہمیں راہ حق کی ہدایت نصیب فرما اور ہمارے قلوب کو اپنے اس نور سے بھردے جو ماند نہیں پڑتا، ہمارے سینوں کو اپنی ذات پر ایمان کے فیض سے اور اپنی ذات پر توکل و اعتماد کے طفیل کھول دے، اپنی معرفت سے ان کو زندگی عطا فرما۔ اپنی راہ میں شہادت پر موت نصیب فرما۔ اے آقا تو ہی اچھا کارساز و مددگار ہے۔

برادران کرام! اسلام اور عربی زبان کے اس قلعہ، اس مبارک مجلس اور اس خوشگوار ملاقات کے موقعہ پر میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں، اگر دنیا کی مختلف زبانوں کے بولنے والے، اپنی زبانوں کی نشر و اشاعت کے لئے جلسوں اور کانفرنسوں کے انعقاد پر فخر کرتے ہیں، لیگ آف نیشنز [illegible] ترقی اہل زبان اپنی زبان کی نشر و اشاعت کی فکر کرتے ہیں اور انگریز لیگ آف انگلوفون میں تو یہ واضح ہوجانا چاہئے کہ عربی زبان کا رابطہ عقیدۂ اسلام کی بنیاد پر قائم ہے اس کا نسب نامہ اس صدی سے ملتا ہے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان میں اس دعوت اسلامی کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، اس زبان کی خاطر لوگوں کو مل بیٹھنا ان دیگر مجلسوں سے مختلف ہے جو ذاتی اغراض و مقاصد اور تہذیب و ثقافت کے نام پر ہوتی ہیں۔ یہ وہ زبان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دعوت اور کتاب کے لئے ذریعہ کے طور پر انتخاب فرمایا ہے، دراصل یہ عربی زبان کی عزت افزائی ہے، عربوں کی عزت افزائی ہے کہ الٰہی دعوت اس زبان میں نازل ہو، لیکن عزت افزائی کے ساتھ ساتھ وہ ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے، خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وانہ لذکر لک ولقومک وسوف تسئلون"۔ (یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے شرف و عزت کا باعث ہے اور آپ سے اس سلسلہ میں محاسبہ ہوگا)۔

برادران گرامی قدر! اس زبان کی بقا اور اس کا عروج و کمال اسلام کے احسانات میں سے ایک احسان ہے، اسلام نے اپنے اعجاز کا پیراہن اس کو پہنایا ہے اور قرآن نے اپنی باد صبا کے جھونکوں میں اسے ٹہلایا ہے، اسلام تمام مذاہب کا خاتم بن کر آیا اور یہ کتاب عظیم معجز کتاب بن کر، اسلام نے اس زبان کو اپنی برکتوں کے خلعت سے سجایا اور اسی دین کے تقدس کی باد نسیم سے نوازا، زبانوں کا ہمیشہ مذاہب سے تعلق رہا ہے لیکن مسیحیت لاطینی اور یونانی زبان کے تن مردہ میں جان نہ ڈال سکی، مقدس زبانیں مقامی زبانوں میں تبدیل و تحلیل ہوتی رہیں۔ نصرانیت اور قبطی زبان میں کبھی ہم آہنگی نہ پیدا ہوسکی اور آج چند کاہنوں اور پادریوں کے علاوہ کوئی شخص قبطی زبان نہیں جانتا لیکن یہ کتاب معجز صبح و شام جہاں جہاں بھی پڑھی جاتی ہے، سمجھنے والے سمجھتے ہیں اور ہر مسلمان اس کے نغمہ سے جھوم جھوم جاتا ہے خواہ تدبر کے ساتھ پڑھے یا بغیر تدبر کے، یہ اس اعجاز کا مشکبار جھونکا ہے، یہ آسمانی نسیم جانفزا ہے جسے اس زبان میں تحلیل کردیا گیا ہے۔

یہ کیسا عظیم اجتماع ہے، یہ کیسی خوشگوار ملاقات ہے، اگر ہمارے ان بھائیوں کے دلوں میں عربی زبان کی یہ عظمت ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں ان ہندی نژاد عجمیوں کی عظمت ہے، ہمیشہ ہم انھیں عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے رہے اور ان سے سیکھتے رہے، جب مغربی اقتدار نے ہمارے ہندی مسلمانوں کو بے بس کر رکھ دیا تھا اور تفرقہ اندازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور جب خلافت اسلامیہ کے سقوط کے بعد اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا تھا اس وقت ہم نے ان ہندوستانی بھائیوں کو دعوت اسلام کا کام پیہم جدوجہد کے ساتھ کرتے ہوئے دیکھا تھا، وہ خدا کا کلمہ سخت سے سخت حالات میں چپہ چپہ میں پھیلا رہے تھے، اپنے ہم وطنوں کو بھی دین حق کی دعوت دے رہے تھے حالانکہ پسماندگی، فقر و تنگدستی اور اجتماعی کمزوری کے سخت حالات سے دوچار تھے لیکن وہ اپنے دین اور اپنی دینی دعوت سے طاقت حاصل کرتے تھے، چودھویں صدی ہجری جو ابھی گذری ہے اور اس سے پہلے تیرھویں صدی ان داعیان اسلام کے لئے شہادت دیتی ہے کہ یہی ہیں جنھوں نے ایشیا، افریقہ کی صحرا نوردی کی، غیر ملکی اقتدار کی حدود توڑتے ہوئے اور کوہ و بیاباں اور بحر و بر کو پایاب کرتے ہوئے کلمۂ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی دعوت کے لئے پھر رہے تھے، اس وقت عرب اپنی دنیا میں گھرے ہوئے ان داعیان عظام کو اعزاز و اکرام کا خراج پیش کرتے تھے، وہ داعیان عظام جنھوں نے موجودہ حالات کے خلاف بغاوت کی، جن کو اپنی حقیقت و خودی کا احساس تھا اور اس کا یقین تھا کہ اسلام انتہا پسندانہ مادیت کے دعووں اس کے زیب و زینت اور طمطراق، اس کی زیبائش و رعنائی اور اس کے تمام وسائل ابلاغ کے باوجود اپنی سادگی اور جمال حقیقی اور مرد مسلم کی سیرت و کردار کی راستی، اس کے صدق و صفا اور اعتدال کے ذریعہ اپنی دعوت دینے اور پیغام پہنچانے پر قادر ہے اور انسانوں کو مال و دولت سے بے پرواہ ہوکر اور ٹکنالوجی کا سہارا لئے ہوئے بغیر راہ حق دکھا سکتا ہے وہ انسانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں خدا کے کلمہ اور قرآن کے اعجاز کی طاقت سے داخل ہوسکتا ہے اور اپنی جگہ بنا سکتا ہے۔

ہم یہ دیکھتے تھے اور احساس شرم و ندامت سے سر جھکا لیتے تھے اور آپ کی قدر و منزلت کے سامنے جھک جاتے تھے ہم نے آپ کے علماء کی کتابیں پڑھیں ہم نے مولانا ابوالکلام آزاد کو پڑھا، ان کی تفسیر قرآن کا مطالعہ کیا، آج بھی مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنی نوجوانی میں ذوالقرنین کا قصہ اور ان آیات کی تفسیر ابوالکلام آزاد کی تفسیر میں دیکھی تھی جو دیگر مفسرین سے جداگانہ نئی تحقیق پر مبنی تھی، ہم مولانا سید سلیمان ندوی کی خطبات مدراس کا ترجمہ عربی میں "الرسالۃ المحمدیۃ"[1] پڑھتے تھے اور انھوں نے پیغام اسلام کو جس مہارت کے ساتھ اور ایک نئے طرز سے پیش کیا ہے اس کی داد دیتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی حجۃ اللہ البالغۃ" پڑھتے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ استاذ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سامنے ہم نے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، ہمارے ساتھیوں میں سے ہر ہر

بقیہ ص ۱۷

[1] حسن اتفاق سے کتاب کے مترجم مولانا محمد ناظم ندوی جو پاکستان سے اس مجلس میں شرکت کیلئے آئے تھے موجود تھے۔

ادب اسلامی کے عناصر

شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری ناظم امور مذہبی حکومت قطر

ترجمہ: شمس الحق ندوی

حمد و ثنا کے بعد!

عرصہ سے آرزو و تمنا، اور دل میں بڑا اشتیاق تھا، کہ اس بابرکت ندوہ میں حاضری ہوتی، جو اللہ کے فضل سے ایک شجر سایہ دار و سدا بہار ہے اور بحکم خداوندی اپنے مخلص کارکنوں کی کاوشوں سے جس کے سرخیل و روح رواں برادر محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ہیں، ہمہ وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آں موصوف کی مدح و ستائش کی چنداں ضرورت نہیں کہ ان کا قول و عمل خود ہی اس کا آئینہ دار ہے، اللہ سے دعا ہے کہ ان کو مزید توفیق و سعادت سے نوازے ان کی عمر دراز فرمائے، ان کی مساعی جمیلہ کو کامیابی و کامرانی کے تاج سے آراستہ فرمائے، کہ امت مسلمہ ان کے علم و عرفان سے تادیر بہرہ ور و مستفید ہوتی رہے۔

بھائیو! میری یہ بھی تمنا تھی کہ میں اس امت۔ امت مسلمہ۔ کے علماء اعظام سے ملوں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس پیغام جاوداں کے لئے منتخب فرمایا ہے، جس کو اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیائے انسانیت تک پہنچایا ہے، جس میں نہ کالے گورے کی تمیز ہے نہ لال پیلے کی، اور نہ ہی اس میں نسل و قوم کی تفریق ہے، بلکہ اس کی اساس ابدی دین و تقویٰ ہے، نبی صادق و امین نے فرمایا کہ وہ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں، فرمایا کہ ان کو اللہ نے ادب سکھایا ہے اور خوب سکھایا، آپ کے اخلاق کریمانہ قرآنی تعلیم کے آئینہ دار ہیں، تقویٰ آپ کی سب سے کامیاب پونجی ہے، فرمایا، تم میں خدا کا پاس و لحاظ رکھنے والا ہی اللہ تعالیٰ کی نظر میں محترم ہے۔

برادران اسلام! اللہ کو یہی منظور تھا کہ ہماری آپ کی ملاقات اس مبارک سرزمین پر ہو جسکے ہونہار سپوتوں نے نور اسلام کو وسطی جنوبی اور مشرقی ایشیا تک صدیوں روشن رکھا، اور دعوت و ارشاد کے میدان میں اس سرزمین کا بڑا روشن کردار رہا ہے اس میں ایسی بھی یکتائے روزگار شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں جن کو دین اسلام کی تاریخ قیامت تک نہیں بھلا سکتی۔

ہمیں ادب اسلامی کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ وہ ان اہم موضوعات میں سے ہے جو دیگر قوموں پر عموماً اور امت مسلمہ پر خصوصاً اثر انداز ہوتے ہیں، امت مسلمہ خصوصی طور پر اس لئے کہ اس کا احساس و شعور ہمہ اور درست ہے کہ اس کے مزاج میں رقت و نرمی، شدت تاثر، خیر و شر، عدل و ظلم، ایمان و کفر یہ وہ جذبات ہیں، جو دل کو جلا بخشتے ہیں اور انکو دین کے پختہ حصار میں رکھتے ہیں۔

حضرات! ادب کے مختلف پہلو ہیں جو افراد و جماعتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، خواہ وہ کہیں ہوں اور کچھ بھی عقیدہ رکھتے ہوں، ادب کے ساتھ ہم مسلمانوں کا کیا موقف ہونا چاہئے، خصوصاً موجودہ دور کی حیرت انگیز علمی ترقی کے بعد جس نے مسافت و بعد مکانی کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور مختلف معاشرے و سوسائٹیاں ایک دوسرے سے اتنا قریب ہوگئی ہیں کہ اس کا تصور بھی مشکل تھا، لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر ادب کے ساتھ ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں ہمیں کون سا طریقہ اپنانا چاہئے۔

حضرات! میں اس مسئلہ میں زیادہ بیخ بن نہیں نکالنا چاہتا ہوں نہ ہی اس کی گہرائیوں میں جاکر وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں، میں حتی الامکان منتشر و متعدد چیزوں کو جمع کرنے اور ان کو چند نقاط میں مرکوز کرنے کی کوشش کروں گا اور امید ہے کہ میں اس صحیح طریقہ کار پر روشنی ڈال سکوں گا، جو امت مسلمہ کی نئی نسل اور بعد میں آنے والی نسل کو غار ہلاکت میں گرنے سے بچانے اور صراط مستقیم کی طرف لانے کا سامان و محفوظ طریقہ ہے جس کا ہمارا دین ہمیں حکم دیتا ہے، لہٰذا میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں کہ ادب اسلامی کے آٹھ ضابطے ہوں جو مثبت فعال طریقہ سے اس کے مقصد کو پورا کرسکیں، وہ امور میری نظر میں حسب ذیل ہیں:

۱۔ دین کا فکر و اہتمام:

میرے خیال میں یہ سب سے اہم طاقتور عنصر ہے جب کہ ادب اسلامی کے لئے یہ ضروری ہے کہ دینی خصوصیات کی نمائندگی کرے، اس کی حدود سے باہر نہ نکلے، نہ آزادی کے نام سے ہو، نہ قانون و نئے نظام کے نام سے، اس لئے کہ ہمارے دین نے ہمارے لئے زندگی گذارنے کا راستہ مقرر کیا ہے اور اس کے طریقے مقرر کئے ہیں جن سے انحراف کسی حال میں درست نہیں ہے، بلکہ اس بارے میں ادیب کو سخت رویہ اپنانا چاہئے، یہ بات ادیب پر لازم کرتی ہے اور ضروری قرار دیتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر امور دینی کا حامل ہو، وہ علم و عمل دونوں اعتبار سے کتاب خداوندی کا محافظ ہو، اپنے عقیدہ کے اصول و مسائل پر قائم رہے، اس کی دعوت پورے طور پر ان چیزوں پر مرکوز ہو جن کی دین دعوت دیتا ہے جیسے حسن اخلاق، پاک دامنی اور پاکیزہ خیالی۔ اور قلب و جسم دونوں کا رذائل و تباہ کن پراگندہ خیالی سے بلند و بالا ہونا، اس کی دعوت میں انسانوں کے ساتھ عدل و مساوات اور حق پرستی کی پوری روح پائی جاتی ہو جس پر دین اسلام آمادہ کرتا ہے۔

۲۔ اخلاقی التزام:

اس عنصر کا پہلے عنصر سے گہرا تعلق ہے، بلکہ اسی سے پہلے عنصر کی تکمیل ہوتی ہے، لہٰذا مسلمان ادیب کا فرض ہے کہ وہ امت میں افتراق کینہ اور باہم نفرت پیدا کرنے کا اسلوب نہ اپنائے اور نہ ہی قومیت جاہلیہ کا رجحان پیدا کرنے والا طرز اختیار کرے، بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اتحاد و بھائی چارگی، باہمی ربط و میل جول اور نیکی و بھلائی، تقویٰ اور حق کی راہ میں تعاون کی فضا پیدا کرے اس سے وہ منحرف نہ ہو، بلکہ وہ ان تمام لوگوں کے سامنے سینہ سپر ہوجائے جن کے دلوں میں دعوت کی پست کے اخلاق و آداب اور اتحاد کو ختم کرنے کی طرف موڑنے کا جذبہ ہوتا ہے۔

۳۔ اسلامی خصوصیت:

ادب اسلامی کے لئے ضروری ہے کہ اسکی خصوصیات واضح ہوں اور وہ عقیدۂ توحید سے جڑا ہو اور اسی کی عکاسی کرتا ہو اسی کی زبان بولتا ہو، یہ بات ادیب کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے مطالعہ و تحریر کے وقت یہ شوق و جذبہ رکھتا ہو کہ وہ دوسری اقوام کے ادب کی وہی چیز یہ پیش کرے جو ہمارے ذہن و اخلاق سے میل کھاتی ہوں اس کے برعکس جو چیزیں ہماری اسلامی قدروں سے ٹکراتی ہوں ان کو چھوڑ دے اور ان کو دور رکھے، تاکہ ہمارے نوجوان انحراف و بے راہ روی سے محفوظ رہیں۔ مثلاً گھٹیا ادب، یہ گھٹیا پن چاہے اخلاقی پستی کے اعتبار سے ہو یا انارکی و بے راہ روی کی طرف دعوت کے اعتبار سے اس کی اسلامی معاشرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مسلم نوجوانوں سے ایسی چیزوں کو دور رکھنا ضروری ہے جن میں اخلاقی قدروں سے منحرف ہونے اور گمراہی میں پڑنے کا خطرہ ہو۔

۴۔ امت مسلمہ کو اتحاد و باہمی تعارف کی دعوت دینا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثیٰ وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ان اللہ علیم خبیر۔" (لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے)۔

امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی قوم بنایا ہے اور اس کو دینی رشتہ سے مربوط کردیا ہے یہ رشتہ اور ربط خون کے رشتہ اور تعلق سے زیادہ پختہ و مضبوط ہے، اسلام کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے، لہٰذا ادب اسلامی کو اس نقطہ کا پورا لحاظ و رعایت کرنی چاہئے ہم لوگ اگرچہ ہماری شہریت الگ الگ ہے، رنگ مختلف ہیں، اللہ کی راہ میں بھائی بھائی ہیں ہم سب کو دین و عقیدہ کا رشتہ جوڑتا ہے، ادب کا رول یہاں یہ ہونا چاہئے کہ وہ اس تعلق کو قوت بخشے اور اس کو مضبوط کرے، کوئی یہ نہ کہے کہ عربی اور عجمی، گورے اور کالے کیسے برابر ہوسکتے ہیں؟ کیوں نہیں میرے

بھائیو! اسلام ہی ہمارا اصل رشتہ ہے بلکہ وہی ہمارے لئے باعث عزت و فخر ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ابی الاسلام لااب لی سواہ
اذا افتخروا بقیس او تمیم

(میں اسلام کا فرزند ہوں اسلام کے سوا کوئی اور میرا باپ نہیں جب کہ لوگ قیس و تمیم جیسی نسبتوں پر فخر کرتے ہیں)۔

حضرات! آج یورپ زبانوں اور خاندانوں کے اختلاف کے باوجود اتحاد کے راستہ پر ہے، اس کی زبان انگریزی ہے، اُس کی فرانسیسی ہے، دوسرے کی جرمنی ہے، چوتھا اٹالین ہے اور اسی طرح اس کے باوجود وہ اتحاد کے کوشاں ہیں اور پوری سنجیدگی و عزم کے ساتھ کوشاں ہیں ان کا عزم ہمارے عزم سے پختہ ہے، کیوں؟

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم حق پر اپنے ایمان میں اہل باطل کے اپنے باطل پر ایمان کے مقابلہ میں زیادہ پختہ ہوں، اور اپنے مجد و شرف اور اسلامی سرمایہ کو غالب کرنے کے لئے عزم و اخلاص کے ساتھ پیہم کوشش کریں۔

۵۔ اسلامی خصوصیات کا التزام:

یہ بہت اہم عنصر ہے اس میں فرق نہیں پائی جاتی ہے، ہمیں یورپ کے انداز کے نام نہیں رکھنا چاہیے نہ ہمیں اس کو اپنے دین اسلامی سے منطبق و قریب کرنا چاہیے اور اس سے ملانا چاہیے جب کہ اسلام اس سے پاک ہے اسلام اس سے کہیں بلند اور اونچا ہے۔ ہم ایسی قوم ہیں جس کی اپنی قدریں اور خاص شعار ہے، ہمیں اپنی قدروں پر مضبوطی سے جمے رہنا چاہیے، ان چیزوں کو اپنانے میں جلدی نہ کرنا چاہیے جو کفار و اہل باطل کی عقلوں کی پیداوار ہیں، جیسے سوشلزم، اشتراکیت یا آزادی بیجا، اور پھر اسی میں ہم نجات کے خواہاں رہیں اور اپنی قوم کو ناکام تجربوں کی آزمائش میں نہ ڈالیں جس کا نتیجہ معاشرہ کا فساد و بگاڑ ہو اور قوم مشکل و حیرانی سے دوچار ہو۔

حضرات! اسلام وہی اسلام ہے وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے ہمارے لئے زیبا نہیں کہ اسلام کے علاوہ کسی اور چیز پر فخر کریں اور اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں خیر و سعادت تلاش کریں، ہم میں سے جو شخص اسلام کے علاوہ کسی چیز پر فخر کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپنائے گا وہ نامقبول ہوگا، لہٰذا ادب اسلامی کو اسلامی خصوصیات اور اس کے نام سے موسوم ہونے والی چیزوں کا محافظ ہونا چاہیے، ہم اس کو کسی اور دعوت سے نہیں ملائیں خواہ اس میں کتنی ہی ظاہری چمک دمک پائی جاتی ہو کہ زہر اکثر مزے دار چیز میں ہوتا ہے ہم الحمدللہ ان چیزوں سے بے نیاز ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین میں ایسے ذخیرے رکھ دیے ہیں جن میں مرور زمانہ کے باوجود خیر و برکت ہے ہمارا دین برحق ہے، ہماری کتاب ہر عہد اور ہر جگہ کے لئے کافی و موزوں ہے جو اس پر عمل پیرا ہوگا یہ کتاب اس کے تمام حالات و مسائل کو درست کرے گی۔

۶۔ امت کی سچی تصویر پیش کرنا اور اس کی خوبیوں کو اجاگر کرنا۔

دنیا کا کوئی ایسا ادب نہیں ہے جس میں اس سلسلہ میں کارنامے نہ ہوں، ہم مسلمان ایک ہی قوم ہیں خواہ ہمارے رنگ روپ اور زبان میں اختلاف ہو، لہٰذا مسلمان ادیب کا فرض ہے کہ وہ امت کے صحیح حال و خد و خال کی تصویر کشی کرے، اسکی خامیوں اور بیماریوں پر بے لاگ تبصرہ کرے اور دین کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں اسکا علاج و حل پیش کرے، دوسروں کو خوش کرنے کے لئے دین میں ذرا بھی تحریف نہ کرے، ہم شاعر کے اس شعر کا مصداق نہ بنیں،

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع

(ہم اپنے دین پر بٹہ لگا کر اپنی دنیا بناتے ہیں، نہ دین ہی باقی رہتا نہ دنیا ہی ملتی ہے)۔

اسی طرح ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کے مرض کی دوا بتانے سے قبل اپنا علاج کرلیں ورنہ ہم شاعر کے اس شعر کا مصداق بنیں گے۔

یا ایہا الرجل المعلم غیرہ
ھلا لنفسک کان ذا التعلیم
تصف الدواء لذی السقام
وذی الضنا کیما یصح وانت سقیم

(اے دوسروں کو سکھانے والے تو اپنے آپ کو کیوں نہیں سکھاتا۔ کمزوروں اور بیماروں کو دوا بتاتے ہو کہ وہ اچھا ہو اور تم خود بیمار ہو)۔

تاریخ اسلام عمدہ اور زندہ و تابندہ اور انسانیت کی بہترین نمائندگی کرنے والے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ تو کیا ہم اپنے بچوں کی تربیت اسی کی روشنی میں نہ کریں اور ہماری تاریخ میں جن کارہائے نمایاں کے نقوش اور تہذیب و ثقافت کی جو قدریں ہیں، اس کے لئے اپنے بچوں کی آنکھوں اور دلوں کو کھول نہ دیں، کہ ان کا گیت و ترانہ، ان کے قصے اور تخیلات دین و دنیا دونوں اعتبار سے ادب اسلامی کا عکس ہوں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے،

حرض بنیک علی الآداب فی الصغر
کیما تقر بھم عیناک فی الکبر
انما مثل الآداب تکسبھا
فی عنفوان الصبا کالنقش فی الحجر

(اپنے بچوں کو بچپن سے ادب سکھاؤ تاکہ بڑی عمر میں ان سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، بچپن میں تم جو ادب سکھاتے ہو اس کی مثال پتھر میں نقش بنانے کی ہے جو کبھی مٹتا نہیں)۔

۷۔ ادب عربی کا پڑھنا:

عربی زبان ہی اسلام کی زبان ہے، قرآن کریم اسی زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، مسلمان عربی زبان پڑھے اور سمجھے بغیر اس دین کی عظمت، قرآن کریم کی خوبی و کمال بلاغت نیز حدیث شریف کی حلاوت و شیرینی کو نہیں محسوس کرسکتا، لہٰذا ادب اسلامی کے لئے ضروری ہے کہ اس زبان کو اپنا میدان بنائے اور اس کے الفاظ، تعبیرات دوسری زبانوں میں شامل کرے، یہ بات اس کی متقاضی ہے کہ اسلامی ادیب مختلف عہدوں کے عربی اشعار کا مطالعہ کرے کہ وہ عربوں کی کتاب زندگی ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں اور اسی سے عربی الفاظ کے شواہد ملتے ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ شعر میں حکمت و دانائی پائی جاتی ہے۔

ایسے ہی ہم کو چاہیے کہ بچپن ہی سے اپنے لڑکوں کو قرآن کریم حفظ کرنے پر آمادہ کریں کہ وہ اللہ کا دسترخوان ہے، جس طالب علم کے سینہ میں قرآن کریم ہوگا اسکو فصاحت و بلاغت یقیناً حاصل ہوگی اور یہ دونوں چیزیں اس کی خوبی و کمال بن جائیں گی۔

حضرات!

میں نے بقدر استطاعت یہ کوشش کی ہے کہ موضوع کے مختلف پہلوؤں کو بہت ہی اختصار کے ساتھ چند عناصر میں جمع کردوں کہ بہتر بات وہ ہے جس کے الفاظ کم ہوں اور معانی زیادہ، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔

شاید میں نے جو عناصر گنائے اور بیان کئے ہیں ان میں ادب کا حق ادا کردیا ہے تاکہ وہ ادب اسلامی کے لئے دستور و طریقۂ کار بنے اور شاید یہی امت مسلمہ کے متحد ہونے کا ذریعہ بنے، تاکہ وہ اپنی زندگی کے ان خطرناک حالات میں دیگر قوموں کے سامنے چٹان بن کر کھڑی ہوجائے اور مسلمان اپنی قوت و مضبوطی میں سیسہ پلائی دیوار کے مانند ہوجائیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو پختگی و مضبوطی بخشتا ہے، وہ جسم واحد بن جائیں کہ اگر ایک عضو کو تکلیف ہوئی تو پورا جسم اس کی کسک محسوس کرتا ہے اور بخار و بے خوابی میں مبتلا ہوجاتا ہے، ہم کب اس منزل کو پہنچیں گے، ممکن ہے یہ منزل جلد آجائے کہ اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں خیر و بھلائی کی طرف لے جائے اور سیدھا راستہ دکھائے، درود و سلام ہو اللہ کے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے آل و اصحاب و تابعین کرام پر ہمیشہ ہمیش۔

والسلام علیکم

ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت باشا، استاذ امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ریاض
ترجمہ: شمس تبریز خاں

اسلام کا ادبی و تنقیدی نظریہ

اس نظریہ کی ضرورت

ہم آج جس دنیا میں رہ رہے ہیں اس میں دو معاشرتی نظریات کی کشمکش جاری ہے، اور اُن دونوں میں سے ہر ایک پوری دنیا کو اپنے حلقۂ اثر میں لے کر دوسرے نظریے کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے، ان میں سے ایک اشتراکیت ہے جس کے علمبردار سوویت یونین اور چین کا عوامی جمہوریہ ہے! دوسرا سرمایہ داری ہے جس کی قیادت امریکا اور مغربی یورپ کے ملک کرتے ہیں۔

پھر ان دو بڑے فکری و اجتماعی دھاروں کے بعد کچھ اور فکری و ذہنی اور ادبی نظریات ہیں جو فرد کی آزادی کے سبب (جس سے روسی عوام محروم ہیں)۔ روس کے مقابلے میں، امریکا اور مغربی یورپ کے ممالک میں زیادہ پروان چڑھے ہیں۔

ان نمایاں فکری رجحانات میں وجودیت (Existentialism) فطرت پسندی (Naturalism) حقیقت پسندی (Realism) فن پسندی (Artism) رمزیت نگاری (Symbolism) کے نام آتے ہیں۔

ان معاشرتی و فکری رجحانات نے ادب کو اپنا ہتھیار اور آلۂ کار بنا کر اس سے اپنے دفاع اور ترجمانی اور اسٹیج کا کام لیا ہے جہاں سے وہ اپنے اغراض و مقاصد کی اشاعت اور انہی معیاروں کے مطابق اپنے عوام اور ہم خیالوں کی ذہنی تشکیل و تربیت کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ استالن، ادیبوں کو "معمار انسانیت" قرار دیتا ہے۔

ان لوگوں نے اپنے افکار و آراء کی ترویج و اشاعت کے لئے ادب پر اعتماد کرکے کوئی غلطی نہیں کی تھی کیونکہ لفظوں میں وہ جادو ہے جس کا کوئی توڑ نہیں، اور ادب میں نفسیاتی تبدیلی، عقلی تاثیر، ذوق و وجدان کی تعمیر، تربیت و ذہن سازی کی وہ قوت تسخیر ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیا بہت پہلے، خود اسلام نے بھی دلوں تک اپنی دعوت کی رسائی کے لئے حروف و کلمات کا سہارا نہیں لیا؟ اور کیا رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم نہیں عطا ہوئے اور کیا اُن کا معجزہ لسانی و بیانی نہ تھا؟ اور کیا قرآن اور اس کی تسخیر قلوب کی قوت نے عرب کے بہت سے سنگدلوں کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کردیا؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کلمۂ طیبہ کی یہ تعریف نہیں فرمائی؟

"ألم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی أکلھا کل حین باذن ربھا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون۔" (ابراہیم ۲۴، ۲۵)

(آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کیسی مثال دی ہے، کلمۂ طیبہ ایک مبارک درخت ہے جس کی جڑیں مضبوط ہیں اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور جو ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔ اور اللہ لوگوں کے سامنے مثالیں رکھتا ہے تاکہ وہ باخبر ہوں)۔

ان اجتماعی رجحانات اور نظریات کے نتیجے میں متعدد ادبی دبستان وجود میں آگئے جن کی مستقل بنیادیں اور مقررہ اقدار و معیار ہیں۔

ہم جب ان معاشرتی رجحانات اور ثقافتی نظریات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب انسان اور زندگی کے بارے میں اُن کے بانیوں کے نقطۂ نظر سے نکلے ہیں، چنانچہ سرمایہ داری کے امریکی اور یورپی حامیوں کی اکثریت انسان کی انفرادیت اور حریت کی اس حد تک حامی ہے جس سے دوسروں پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہونے لگتی ہے، وہ فرد کو مطلق آزادی دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اس کے ساتھ ہے ایسے مالی تصرف کی اجازت دیدیتے ہیں جو دوسروں کا استحصال اور اُن پر ظلم بن جاتا ہے۔ وہ فرد کے لئے ایسی بے قید خوش حالی کا دروازہ کھول دیتے ہیں جس سے لوگوں کے باہمی تعلقات خراب ہوجاتے اور بغض و عداوت پیدا ہوجاتی ہے اس کے علاوہ وہ اسے ایسی انفرادی زندگی گزارنے کا موقع دیتے ہیں جس کا کوئی ضابطہ نہیں ہوتا۔

ایسا طرز حیات جو نفسانی تقاضوں اور حیوانی خواہشوں کی آزادانہ تکمیل پر مبنی ہوتا ہے جسے وہ فرد کا حق، اس کی شخصیت کا اظہار اور اس کے وجود کی تکمیل کا نام دیتے ہیں۔

اس کے برعکس اشتراکی، فرد کی معاشرتی حیثیت کو ضروری قرار دیتے اور اسے اجتماعی کائنات کا ایک حقیر ذرہ سمجھتے ہیں، اسی لئے وہ پارٹی اور حکومت کے نمائندوں کو عوام اور افراد پر اس حد تک حکمرانی کا حق دے دیتے ہیں کہ وہ ہر فرد کا کام اور روزی کا تعین کرسکتے اور اس پر اپنے افکار، زندگی کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر عائد کرسکتے ہیں۔

ہم اس وقت انسان اور زندگی کے بارے میں ان نظریات پر بحث و مناقشہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہم مسلمان ان سب کو غلط سمجھتے ہیں، مگر ہم ان کروڑوں لوگوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں جو معمورۂ عالم کے اس وسیع رقبے پر آباد ہیں جو مغرب میں اٹلانٹک اور مشرق میں ہند (اور شرق الہند) تک پھیلا ہوا ہے) اور جو اپنے کو مسلمان کہتے اور انسان، حیات اور کائنات کے اسلامی نظریے پر یقین رکھتے ہیں کہ اس میدان میں اُن کا کیا مقام ہے؟

اور ان کا ادبی نقطۂ نظر کیا ہے؟

کیا انھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کا ایک واضح، ممتاز، بامقصد اور متعین ادبی نقطۂ نظر ہو جو انسان اور کائنات کے بارے میں ان کے عقیدے کا ترجمان ہو، اور خالق اور دین و دنیا کے بارے میں ان کے تصور کی وضاحت کرے اور وہ اسے دعوت و اشاعت حق کا وسیلہ بنا سکیں، اور وہ اس کے ذریعے سے انسانیت کو عام طور پر اور اپنی مسلمان نسلوں کے لئے ایسا مقصدی و افادی ادب پیش کرسکیں جس کی ایمانی حرارت سے طبیعتوں میں اضطراب پیدا ہو، فضل و کمال کے نمونوں سے ان میں نیا عزم و حزم بیدار ہو اور اس کے خیر و صلاح، اور نفاست و طہارت سے دلوں کی کشادگی ہو اور اس کے روشن افکار سے عقل کو غذا ملے، اور اس کے جلال و جمال، پاکیزگی اور رہنمائی کے ذریعے اس سطحی ادب سے نجات ملے جس کا ایک ڈھیر پریس سے ہر صبح باہر آجاتا ہے۔

ہم مسلمان مطلوبہ اسلامی ادب کے پہلے سے کہیں زیادہ حاجت مند ہیں، کیونکہ آج ہمیں فکری، وجدانی اور تہذیبی سطح پر ایسا مقابلہ درپیش ہے جس کی ہم نظیر نہیں پاتے۔ حقیقی و مقصدی ادب ہی ہمارے وہ اسلحے ہیں جن سے ہم اس حملے کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور اس کے تیز دھارے کے آگے ٹھہر سکتے ہیں۔

معاصر اسلامی تحریکوں نے اسلام اور مسلمانوں کی قابل لحاظ خدمت انجام دی ہے، انھیں اگرچہ سیاسی کامیابی نہیں ملی ہے مگر فکری محاذ پر انھوں نے اسلامی بنیادوں کی وضاحت اور موجودہ مسائل کے سلسلے میں اسلام کا موقف متعین کرنے، بدلتی ہوئی زندگی پر گرفت حاصل کرنے اور اپنے مخالفین سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

لیکن شعوری یا غیر شعوری طور پر ان تحریکوں نے یہ بات بھلا دی کہ دعوت کا کام صرف علمی تحقیقات، اصولی بحثوں، اور منطقی حجتوں سے نہیں انجام پاتا بلکہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کے حقائق اور بنیادوں کو ادب عالی کی دلکش صورت میں بھی پیش کیا جائے جس سے ذہن لذت یاب

ہوں اور اس کی طرف دل اس طرح متوجہ ہوں جیسے موسم گرما میں کوئی پیاسا ٹھنڈے پانی کی طرف لپکتا ہے۔

ہمارے اسلاف نے اس ضرورت کو سمجھا اور اس ہتھیار کو اچھی طرح استعمال کیا تھا . . . تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سخت حالات میں مسلمانوں نے اس ہتھیار کا استعمال کس قوت وصلاحیت کے ساتھ کیا تھا، مثلاً جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے قراء، اہل الرائے، اصحاب قوت وعزیمت کو جمع کیا تھا لیکن صرف ان ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ شاعروں اور خطیبوں کو بھی جمع کیا تھا جن میں الشماخ، الحطیئة، اوس بن مَغراء، عبدہ بن طیب بھی تھے جنھیں میدانِ جنگ میں بھیجنے سے پہلے یہ ہدایت کی کہ: "میدانِ جنگ میں جاکر اپنی پوری ذمہ داری اور اپنا فرض انجام دیجئے، آپ عرب کے شاعر وخطیب اور اعیان واکابر ہیں، لوگوں کی ہمت بڑھائیں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔"[1]

خطیب اور شاعر اسلامی فوجوں کے درمیان جاکر احساسات کو بڑھاتے، جذبات کو بھڑکاتے اور ہمت بندھاتے تھے۔ اس "ادبی معرکہ" سے پہلے حضرت سعدؓ نے ایک قاری سے سورۃ الانفال کی تلاوت کرائی پھر فوج کے ہر حصے میں اس کی تلاوت ہوئی اور لوگوں کے دل مسرور اور آنکھیں مخمور ہوگئیں اور اس کی قرأت کے ساتھ سینوں میں سکینت کی لہر دوڑ گئی۔[2]

عہدِ نبوی میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادب سے اسلام کی خدمت، مسلمانوں اور ان کے رسولؐ کی حمایت، فتح کی تعریف اور شکست کی تخفیف اور زخم پر مرہم رکھنے کا کام لیا تھا، ہمارے اسلاف کے عہد میں شعر وخطابت ہی متعارف فنون تھے جن سے انھوں نے اچھی طرح کام لیا اور مجھے یقین ہے کہ اگر اُن کو آج کے نئے فنون کا علم ہوتا تو اُن سے بھی بڑے پیمانے پر دعوت کا کام لیتے۔

بدقسمتی سے ہمارے زمانے کے اسلامی ادیبوں نے نئے ادبی اسالیب کو چھوڑ کر صرف شعرگوئی اور مقالہ نگاری پر قناعت کرلی ہے اور یہ خیال کرلیا ہے کہ دین اور افسانہ وڈرامہ میں ایسی بیگانگی ہے جو بیزاری کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے،

ہمارے ادیب یہ بھول گئے کہ قرآن کریم نے اپنے بلند مقاصد کے لئے واقعہ نگاری کے فن سے کس طرح کام لیا اور اسے ارشاد وہدایت اور عبرت وموعظت کا کیسا قابلِ اعتماد وسیلہ بنالیا۔ ہمارے اسلامی ادیبوں کو تو قرآن کے تعلق اور قصص قرآنی کے دلکش نمونوں کے سبب قصہ وواقعہ بیانی کے فن کی قیادت کرنی چاہئے تھی!

اس کوتاہی سے اسلامی ادب اور مسلمانوں کو جو خسارہ پہنچا ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ہماری ذاتی اور عوامی لائبریریاں گذشتہ نصف صدی میں فرضی قصوں اور افسانوں اور ان کے ترجموں سے بھر گئی ہیں اور ہمارے نوجوانوں میں حد سے زیادہ مقبول ہوگئی ہیں اور ان کے دل ودماغ میں اتنا زہر اترچکا ہے جو کئی نسلوں کی ہلاکت کے لئے کافی ہے، چنانچہ ان کے اخلاق وعادات خراب ہوگئے اور ایمان کمزور ہوگیا اور انھوں نے ایسی روش اختیار کرلی جو دشمنوں کو خوش اور دوستوں اور بہی خواہوں کو غمگین کردیتی ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی طرف متوجہ ہوں اور اپنی اور اپنے ہونہار نوجوانوں کی صلاحیتوں کے ساتھ اس میدانِ ادب میں قدم رکھیں کیونکہ اس میں اب بھی گنجائش ہے، اور قارئین کی بڑی تعداد پاکیزہ ادب کی دلدادہ ہے۔

ہمیں ہمارے مفکرین، علمی وادبی اداروں اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے غیرت وحمیت رکھنے والے ادیبوں کو سمجھنا چاہئے کہ اگر ہم اہلِ ایمان کے پاکیزہ ادب کے مطالبے کو پورا نہیں کرتے (جو ان کے ایمان اور فطرتِ سلیم کی جلا کرے) تو وہ لامحالہ دوسرے قسم کے ادب کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان ادیبوں سے رجوع کریں گے جنھوں نے کج فطرت، مخرب اخلاق اور فحش لٹریچر سے دنیا کو بھر دیا ہے، اس لئے جدید اسلامی ادب کی عموماً اور اسلامی افسانے کی خصوصاً شدید ضرورت ہے۔

فن قصہ گوئی کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے پلاٹ اور واقعات کی طرف قاری کو متوجہ کرلیتا ہے اور اس کے کرداروں سے دلچسپی اور مظلوم ومحروم انسانوں کے لئے جذبۂ رحم پیدا کردیتا ہے۔ ہماری موجودہ نسل کی یہ بدبختی ہے کہ ہزاروں قصوں، ڈراموں، سینما اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ ان تک جو ادب پہنچا اس نے ان کے سامنے جرم وبداخلاقی کی تصویریں رکھیں اور اسلامی معاشرے کی اقدار سے باغی نوجوانوں اور خواتین کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا کئے اور گناہ کے دلدلوں میں غرق ہونے والیوں کے سروں پر عزت وعظمت کے تاج رکھے اور دلوں میں اس معاشرے کے خلاف انتقام کی آگ بھڑکائی جو ان کے خیال میں کہنہ وفرسودہ اقدار کو اپنائے ہوئے ہے اور اپنے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا کئے اور اپنی محبت سے دلوں کو گرم بنانے کی کوشش کی۔

معروف مصری ادیب توفیق الحکیم کے قول کے مطابق جنھوں نے ایک موقع پر کہا کہ "ہمدردی اور دلچسپی کے جذبات امراض کی طرح متعدی ہوتے ہیں" ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم جدید فنی اسالیب کی اہمیت اور اسلامی ادیبوں کی عظیم ذمہ داری کا احساس کریں۔

نئے ادبی فنون، خصوصاً افسانہ، مختصر کہانی اور ڈرامے سے عوامی دلچسپی ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونی چاہئے کہ برائی کس طرح ان خطرناک اسلحوں سے مسلح ہوکر ہماری قومی زندگی میں اپنے قدم جمارہی ہے، جس کے تدارک کے لئے ہمیں وہ ہتھیار چھین لینا چاہئے اور ان خداترس ہاتھوں میں دیدینا چاہئے جو انھیں نیکی اور بھلائی کے راستوں میں استعمال کرسکیں۔

ہم نے منبروں سے فحش رسالوں اور حیاسوز افسانوں اور بے لگام نشریاتی ذرائع کے مقاطعہ کی باتیں سُنی ہیں مگر یہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اُن ادبیات ونشریات کا مقابلہ منبروں کی خطابت، اور محفلوں کے احتجاج سے نہیں ہوسکتا، بلکہ مثبت اور تعمیری عمل کے ذریعہ ہوگا۔ آپ کا ایک شمع روشن کردینا اندھیرے کو ہزار بار بُرا کہنے سے کہیں بہتر ہے۔

ان فتنہ پرور اور فساد انگیز فنونِ ادب کا مقابلہ اظہارِ نفرت یا اعراض یا بقول ڈاکٹر نجیب الکیلانی شکوہ ادیلا مچانے سے نہیں بلکہ ایجابی اور تعمیری کام کے ذریعہ ہوگا، وہ اس طرح کہ ناپسندیدہ ادب کے مقابل ہم پسندیدہ ادب اور ایسا نعم البدل پیش کریں اور یہ اعتماد رکھیں کہ یہ نعم البدل عوامی مقبولیت حاصل کرے گا۔ کیونکہ انسان فطرتاً خیر کی طرف میلان رکھتا ہے اور اسے ترجیح دیتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب ہم روح عصر کے ترجمان اور مسلم مسائل میں رہنمائی کرنے والے اسلامی ادب کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کا مطلب قدیم اسلامی ادب سے روگردانی نہیں ہوتی بلکہ ہم تو اس سے برابر استفادہ کرتے رہنا اور ادب کے حال کا تعلق ماضی سے برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

یہ اعتراف کرنا ہمارا خوشگوار فرض ہے کہ ہمارے قدیم اسلامی ادب نے ماضی میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے ہیں اور وہ ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی اس کا سہارا بنا رہا ہے اور وہ تاریخ کے ہر دور میں خراب حالات اور باطل فرقوں کا مقابلہ اور منافقین کا پردہ چاک کرتا اور دین کی پرخلوص خدمت انجام دیتا رہا ہے۔ اسی طرح اس نے ہر زمانے کے مسائل سے ایسا گہرا ربط رکھا ہے جس سے تعجب ہوتا ہے، مثلاً اس نے زنادقہ وملاحدہ کا تعاقب کیا اور فتنۂ خلقِ قرآن میں قابلِ تعریف موقف اختیار کیا، وہ کلمۂ حق کہا جو ایسے موقع پر کہنا چاہئے تھا اور اسلامی غیرت اور اسلامی مشاہیر کے موقف کو سراہا۔

عالم اسلام پر صلیبی حملوں کے وقت، اسلامی ادب نے حوصلوں کو بلند رکھا، زخموں پر مرہم رکھا۔ فتح کے موقعوں پر مسلمانوں کو مبارکباد دی اور شکست کے وقت تسلی دی اور ہمت بندھائی اور لوگوں کے اندر جہاد کے لئے آمادگی پیدا کی۔ اسی طرح تاتاری حملے کے وقت بھی اس نے اپنی ذمہ داریاں

---

[1] طبری ۳/۵۳۳ [2] طبری ۳/۵۳۶ [3] ڈاکٹر گیلانی صاحب کا وہ قابل قدر مقالہ ملاحظہ ہو جسے انھوں نے اپنی کتاب "حول الدین والدولة" (طبع دار النفائس بیروت) میں شامل کیا ہے۔

پوری کیں۔

ہمارے قدیم اسلامی ادب نے اپنے زمانے کی مشکلات ومسائل اور لوگوں کی کامیاب ترجمانی کی جو اس کا فرض تھا مگر آج اس سے عصر حاضر کی ترجمانی کا مطالبہ اسی طرح بیجا اور ناروا ہے جیسے آج کے ادب سے ہم ہزار سال بعد کے حالات کی عکاسی کا مطالبہ کرنے لگیں ہمیں جس طرح معاصر ادب اسلامی کی ضرورت ہے جو زندگی کی ہم عنانی اور ترجمانی کرے اسی طرح جدید اسلامی تنقید کی بھی ضرورت ہے جو ادب کے اقدار ومعیار متعین کرے اور اس کے لئے نشانِ راہ طے کرے اس تفصیل سے اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمیں ادب وتنقید میں اسلامی نقطۂ نگاہ کی کتنی ضرورت ہے۔

۲۔ ادب اسلامی کے اولین داعی

ہمیں یہ دعویٰ نہیں کہ ہم نے سب سے پہلے اسلامی ادب کی دعوت دی، بلکہ ہم نے دراصل چند مسلم مشاہیر وادبا کی تقلید کی ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلے لکھنے والے عالم باعمل مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی ہیں، جب انھوں نے المجمع العلمی العربی (دمشق) کا ممبر منتخب ہونے کے وقت ادب میں اسلام کے تصور کی طرف توجہ دلائی تھی، پھر شہید اسلام سید قطب نے اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا اور اسے اپنی کتاب "التاریخ فکرة ومنهاج" میں شامل کیا۔

انھوں نے اس مقالے میں مستقل اسلامی خصوصیات رکھنے والے ادب کی پرجوش دعوت دی اور ان کی دعوت پر سب سے پہلے ان کے بھائی محترم محمد قطب سلمہ اللہ نے لبیک کہا اور "منهج الفن الاسلامی" نامی کتاب لکھی جو اس موضوع پر پہلی کتاب تھی، پھر اُن کے بعد معروف طبیب اور ادیب ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے اپنی کتاب "الاسلامية والمذاهب الأدبية" میں اسلام کا ادبی نقطۂ نظر اپنایا، جبکہ استاذ محمد قطب کی کتاب میں صرف اسلامی نقطۂ نگاہ اپنایا گیا تھا، پھر ڈاکٹر عماد الدین خلیل نے اس راہ میں پیش قدمی کرتے ہوئے "فی النقد الاسلامی المعاصر" نامی کتاب لکھی، لیکن ضرورت ہے کہ اس موضوع کی تکمیل کے لئے اور لوگ بھی آگے بڑھیں۔

ان کوششوں کے بعد اس ادب کی سرپرستی کے سلسلے میں بہت سے مقالے لکھے گئے اور آوازیں بلند ہونے لگیں جن کی طرف الامام محمد بن سعود یونیورسٹی نے پہل کی اور ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس نظریے کو نظریاتی صف سے نکال کر نفاذ وعمل کے میدان میں لاکھڑا کیا اور کلیة اللغة العربية میں (جس کے وہ پرنسپل تھے) اس موضوع کو داخلِ نصاب کیا۔ پھر اس یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہونے کے بعد اسے مزید ترقی دے کر شعبۂ نقد وبلاغت کا لازمی مضمون بنادیا۔ اور اس شعبہ کا نام "قسم البلاغة والنقد ومنهج الأدب الاسلامی" رکھا۔

چنانچہ درجۂ تحقیق کے طلبہ نے اس موضوع سے بہت دلچسپی ظاہر کی اور ایم۔اے کے لئے تین مقالوں کا اندراج ہوا اور چوتھے کا بھی ہونے والا ہے اور ہمیں پوری توقع ہے کہ یہ موضوع ادب اسلامی کا مستقل شعبہ بن جائے گا اور خاص طور پر نوجوانوں کے لئے ادب کا شعبہ ہوگا۔

۳۔ اسلامی ادب پر ایک طائرانہ نظر

اسلامی ادب کی مختصر تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ "وہ اس بامقصد فنی اظہار کا نام ہے جو حیات وکائنات اور انسان کے ان اثرات سے تعلق رکھتا ہو جو ادیب کے وجدان پر پڑے ہوں اور وہ اظہار اسلام کے تصور خالق ومخلوق سے ہم آہنگ ہو اور اسلامی اقدار کے منافی نہ ہو۔"

فنی اظہار کا مطلب ادبی حسن کی رعایت ہے کیونکہ عبارت کا حسن کسی بھی ادب کی بنیادی شرط ہے چہ جائیکہ جب وہ اسلامی ادب ہو جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ سے مستفید ومستنیر ہو۔ پھر اس ادب کو افادی ومقصدی بھی ہونا چاہئے، کیونکہ کسی بھی مسلم کا قول وفعل لغویت وبے مقصدیت سے خالی ہونا چاہئے۔ اس لئے اسلامی ادب کو زبان وبیان کی خوبی وخوبصورتی ہی کا حامل نہیں بلکہ مفید وپُرمغز بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ خوبصورت خالی گلاسوں سے پیاس نہیں بجھا کرتی۔

اس ادب کا موضوع بہت وسیع، پہلودار، اور ہمہ گیر ہوتا ہے اس طرح وہ تمام انسانی جذبات، اس کے غم ومسرت، اچھائی برائی، دنیا وآخرت، زندگی کی سعادت وبدبختی، اصول واقدار، غرض کائنات کی جملہ رنگینیوں اور فطرت کی تمام بوقلمونیوں کا احاطہ کرلیتا ہے اسی لیے اسلامی ادب اپنی اس بیکرانی کے سبب صرف دینی موضوعات تک محدود نہیں ہوتا۔

ادب اسلامی کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لئے یہاں دونوں ادبیات کی کچھ مثالیں دی جارہی ہیں جو مشترک موضوعات سے متعلق ہوتے ہوئے بھی نقطۂ نظر کا فرق واضح کردیتی ہیں:

مصری شاعر عبداللہ بن قیس الرقیات ایک بڑے تابعی اور اموی خلیفہ کی مدح میں کہتا ہے:

ان الاغرَّ الذی ابوہ ابوالعا
ص علیہ الوقارُ والحجبُ
یعتدل التاج فوق مفرقہٖ
علیٰ جبین کأنّہ الذھبُ

(وہ برگزیدہ شخص جس کے والد ابوالعاص ہیں، اس پر وقار اور تمکنت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تاج شاہی اس کے سر پر زیب دیتا ہے اور اس کی پیشانی کندن کی طرح دمکتی ہے)۔

اس کے مقابلے میں الخُرَیمی بنی ہاشم کی مدح میں یہ کہتا ہے:

نَهارُکم مکابدةٌ وصومٌ
ولیلکم صلاةٌ واقتراءٌ
أجعلکم واقواماً سواءٌ
وبینکم وبینهم السماءُ

(آپ لوگوں کے دن جہاد اور روزے کی حالت میں گزرتے ہیں اور آپ کی راتیں نماز وتلاوت میں بسر ہوجاتی ہیں تو کیا میں دوسروں کو آپ لوگوں کے برابر سمجھوں گا جب کہ آپ کے ان کے درمیان آسمان زمین کا فرق ہے؟)۔

جب ہم ان مختصر قطعات پر نظر ڈالیں گے تو دونوں تصورات کا فرق واضح ہوجائے گا۔

عبداللہ بن قیس الرقیات مسلمانوں کے خلیفہ اور ایک بڑے تابعی کو ایسی نظر سے دیکھتا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور ایسی تعریفیں کرتا ہے جن کا شرع میں کوئی مقام نہیں بلکہ وہ خلیفہ کی ایسی تعریف کرتا ہے جو ایک مسلم خلیفہ کے شایانِ شان نہیں۔

چنانچہ اس نے عبدالملک کی صفات میں بیان کیا کہ وہ ابوالعاص کا بیٹا ہے جو حسب ونسب پر فخر کو اختیار کرتا ہے جو ایک جاہلی صفت ہے۔ دوسری خصوصیت یہ بتائی کہ وہ اپنی رعایا سے الگ بیٹھتا ہے، حالانکہ ایسے حکام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید فرمائی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ تاج اس کی زریں پیشانی پر بھلا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ اسلام اس لئے آیا تھا کہ وہ تاج شاہی کو زمین دوز کردے کیونکہ وہ عجمی اور جاہلی بادشاہوں کی علامت ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ہرمزان جب مدینہ میں ان کے سامنے لایا جارہا تھا تو انھوں نے اسے اس وقت تک نہیں دیکھا جب تک کہ اس نے تاج اپنے سر سے نہیں اتار دیا۔

ایک دوسرے شاعر نہار بن توسعہ کے ان اشعار میں اسلامی تصور جھلکتا ہے:

أبي الاسلام لا اب لی سواہ
اذا فخروا بقیس أو تمیم
دَعِیُّ القوم ینصر مدّعیہ
فیلحقہ بذی الحسب الصمیم
وما کرم ولو شرفت جدود
ولکن التقی ھو الکریم

(جب لوگ قبیلۂ قیس وتمیم سے منسوب ہوکر فخر کریں گے تو میں اس وقت یہ کہنے میں فخر محسوس کروں گا کہ میرا باپ اسلام کے سوا اور کوئی نہیں۔

قوم کا غلام جب اپنے آقا کی مدد کرتا ہے تو وہ اسے صحیح النسب قرار دیدیتا ہے۔

شرافت، باپ دادا کی شرافت سے وراثت میں نہیں ملتی بلکہ متقی شخص ہی شریف

ہوتا ہے)۔

اسلامی تصور کی مزید وضاحت کے لئے ابونواس کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں جو اس نے حسن فطرت کے بارے میں کہے ہیں:

تأمل فی ریاض الأرض وانظر
الی آثار ما صنع الملیک
عیون من لجین شاخصات
باحداق ھی الذھب السبیک
علیٰ قضب الزبرجد شاھدات
بأن اللہ لیس لہ شریک

(باغ عالم کا نظارہ کرو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

چاندی کی ابھری ہوئی آنکھیں ہیں جن کی پتلیاں زر خالص کی ہیں اور وہ زبرجد کی ڈالیوں پر اس کی گواہی دے رہی ہیں کہ خدا کا کوئی شریک نہیں)۔

یہ اشعار گل نرگس کے بارے میں کہے گئے ہیں جس میں شاعر نے بہار کی تعریف بہار آفریں کی حمد کے ساتھ کی ہے۔ اب اس کا مقابلہ بحتری کی مدح بہار سے کیجئے جس میں وہ کہتا ہے ؎

أتاك الربیع الطلق یختال ضاحکا
من الحسن حتیٰ کاد أن یتکلما
وقد نبہ النیروز فی غسق الدجیٰ
اوائل ورد کن بالامس نوما
یفتقھا برد الندیٰ فکأنہ
یبث حدیثا کان قبل مکتما
فما یحبس الراح التی أنت خلھا
وما یمنع الأوتار أن تترنما

(بہار اپنے حسن کے ساتھ ہنستی اور اتراتی آپہنچی جو بولا ہی چاہتی ہے۔

اور نوروز نے رات کی تاریکی میں کل کی خوابیدہ کلیوں کو بیدار کر دیا۔

شبنم کی خنکی نے کلیوں کے منہ اس طرح کھول دئے گویا اس نے کوئی راز سربستہ فاش کر دیا۔

تو اب شراب کو کون روکے ہوئے ہے جس کے تم ندیم ہو اور پردہ ہائے ساز زمزمہ ریز کیوں نہیں ہوتے!)۔

شاعر نے یہاں بہار کی دلکش تصویر کشی کی مگر یہ تصویر خالق بہار سے الگ ہے اور اس کو ہم اپنے اسلامی تصور کے لحاظ سے نہ اچھا قرار دے سکتے ہیں اور نہ برا۔ مگر اخیر میں نغمہ کی دعوت دی گئی ہے جو ایک مسلمان پر حرام اور ممنوع ہیں۔

ادب اسلامی کی چند خصوصیات

ادب اسلامی جن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے ان میں پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بامقصد ہوتا ہے، کیونکہ مسلم ادیب، فن برائے فن، کے قائل حضرات کی طرح ادب کو مقصد نہیں بلکہ وسیلہ قرار دیتا ہے۔

یہ مقصد سینوں میں خدا کے ایمان کو راسخ کرنا، ذہنوں میں اخلاق فاضلہ کو جاگزیں کرنا، اور انسان کی خوبی اور بھلائی کی پوشیدہ قوتوں کو بیدار کرنا ہے۔

۲۔ اسلامی ادب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ التزامی اور پابند ادب ہوتا ہے، مگر یہ پابندی، ترقی پسندوں اور وجودیوں کی پابندی سے الگ ہے۔ اس میں اسلامی مفاہیم و تصورات اور اصول و اقدار کی رعایت ہوتی ہے۔

۳۔ اسلامی ادب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ حقیقی و واقعی ہوتا ہے، اور یہ اصلیت و واقعیت، امت اسلامیہ کی خصوصیات وصفات اور اس کی ابدی روح کی آئینہ داری سے پیدا ہوتی ہے۔ اس ادب کی اصلیت اس وقت اپنی معراج پر ہوتی ہے جب ہم اس میں دلسوزی محسوس کرتے ہیں اور دلوں کو گرمانے، روح کو متاثر کرنے، جذبات میں اضطراب اور عالی ہمتی پیدا کرنے کی صفت پاتے ہیں۔

۴۔ اس کی چوتھی خصوصیت استقلال اور نظریاتی وفاداری ہے، جب اسلامی ادیب اپنے کو دوسرے باصلاحیت اور صاحب اثر ادیبوں سے الگ کرتا ہے اور اس کی شخصیت اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے تو وہ اسلام کی آنکھ سے دیکھتا، اس کے کان سے سنتا اور اسی کے ذریعہ محسوس کرتا ہے۔

اس فکری و نظریاتی تبدیلی کی عمدہ مثال حضرت حسان بن ثابت رضؓ ہیں جنھوں نے اپنی جاہلی ادبی شخصیت کو اسلامی شخصیت میں بدل دیا۔ یہی بات ہمارے زمانے میں سید قطب پر صادق آتی ہے جنھوں نے عمومی ادب سے اسلامی ادب کی طرف عظیم جست لگائی۔

۵۔ اس ادب کا پانچواں امتیاز ثبات و دوام ہے، کیونکہ یہ تمام اقدار و معیار اسلام سے اخذ کرتا ہے جو ہمیشہ قائم دائم رہتے ہیں اور ان میں شناخت و شخصیت، روح و فکر اور ماضی کی یادیں برقرار رہتی ہیں اور زمانے سے صرف ان کی شکل و صورت میں فرق آتا ہے۔

۶۔ اس کی چھٹی امتیازی تعریف اسکی اخلاقی نوعیت ہے، کیونکہ ادب اسلامی تمام اخلاقی پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اخلاقی پابندی، اسلامی ادیب کی عبقریت و انفرادیت کا جزو لازم ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اس کی فطرت کے اعماق سے ایک ساتھ پھوٹتی ہیں۔ اور یہ رنگ ان دونوں ادبیات میں ہوتا ہے جنھیں کبھی اسلامی ادیب اپنی تسکین و تسلی کے لئے یا دوسروں کی رہنمائی اور فائدے کے لئے لکھتا ہے۔

۷۔ اس کا ساتواں امتیازی وصف اس کا فنی حسن اور پختگی ہے جو لفظ و معنی کی وحدت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اس لئے کسی اسلامی موضوع پر کسی ناقص ادب کی سفارش نہیں کی جائے گی۔ اسی لئے بہت سی نعتیں ادب اسلامی کا حصہ نہیں بن سکتیں۔ ہم ایسا ادب چاہتے ہیں جس میں مقصد کی بلندی کے ساتھ وسیلہ کا حسن بھی موجود ہو۔

۸۔ اس کی آٹھویں امتیازی خصوصیت شعور ہے، اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ اسلامی ادیب کو اپنی اسلامی شخصیت کا شعور، اپنی ذمہ داری کا گہرا احساس (جو اللہ کی طرف سے اس پر ڈالی گئی ہے) اور لفظ کی حرمت و اہمیت کا پاس ہو۔

بقیہ صفحہ ۲: کتاب و سنت سے

چاہے وہ ہدیہ میں بکری کا کھر ہی کیوں نہ بھیجے تب بھی اس کو حقیر نہ سمجھے)۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضؓ ہی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ستائے نہیں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، اگر پڑوسی اپنے پڑوسی کی دیوار میں لکڑی گاڑے تو وہ اس کو روکے نہیں، پھر حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں: کیا بات ہے کہ تم لوگ اس سے بے رخی برت رہے ہو، خدا کی قسم یہ بات میں تمہارے سامنے بیان کر کے رہوں گا۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے نبی میرے دو پڑوسی ہیں، میں کس کو ہدیہ کروں؟ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تم سے قریب ہو۔ (بخاری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! جب تم شوربا پکاؤ تو پانی بڑھادو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ (مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسی شرکت میں شفعہ کا فیصلہ دیا جس میں تقسیم نہ ہوئی ہو چاہے وہ جائداد ہو یا باغ ہو وہ جب تک اپنے شریک کو اطلاع نہ کرے بیچنا درست نہیں چاہے وہ خریدے چاہے چھوڑدے اگر اس نے بیچ دیا اور شریک کو نہ بتایا تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔ (مسلم)

حضرت عمرو بن شرید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ آئے اور میرے کندھے پہ ہاتھ رکھا میں ان کے ساتھ حضرت سعد رضؓ کے پاس گیا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضرت مسور سے کہا کہ کیا آپ ان سے یہ نہیں کہتے کہ یہ میرا وہ مکان خرید لیں جو ان کے گھر سے ملا ہوا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ چار سو دوں گا اور قسط وار دوں گا، انھوں نے کہا کہ مجھے پانچ سو نقد مل رہا تھا میں نے اس کو نہیں بیچا، اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے تو میں آپ کو نہ بیچتا۔

دبستانِ ندوۃ العلماء کے ادبی تصورات

شمس تبریز خاں

اسلام مثالی زندگی کا دوسرا نام ہے اس لئے اسلامی ادب مثالی ادب سے عبارت ہے، یعنی وہ ادب جو زندگی کو اس کے صحیح پس منظر اور حقیقی تناظر میں دیکھتا اور اس میں خدا، انسان اور کائنات کے سچے رشتے پر زور دیا جاتا ہے اور توحید و رسالت اور آخرت جس کے بنیادی تصورات ہیں، اسلامی ادب کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا خود زندگی کا، اسلامی ادب کا کینوس (Canvas) زمان و مکان کی وسعتیں ہیں اور زندگی کا ہر پہلو، زمانے کی ہر کروٹ اور تاریخ کا ہر واقعہ اس کے موضوعات ہیں وہ ماضی کا مبصر، حال کا معمار اور مستقبل کا نقیب و بشارت دہندہ ہے۔

توحید اس کا سرچشمۂ قوت، رسالت اس کا پیغام اور آخرت کی نجات و فلاح اس کا نصب العین ہے، قرآن حکیم اس کا دستور، رسول کریمؐ اس کی مثالی شخصیت اور حق طلبی و حق پسندی اور حق کی بالادستی اس کا طریقۂ کار اور مشن ہے۔

اس کی وابستگی اسلام کے معاشرتی عدل (social justice) پر مبنی نظام و نظریۂ حیات سے ہے اور اس کے ادبی اقدار و معیار اسلام اور اخلاق و انسانیت پر مشتمل تمام اقدار حیات ہیں۔ نوع انسانی کے تمام صالح اور صحت مند جذبات و خیالات اس کا قیمتی اثاثہ اور ثقافتی سرمایہ ہیں۔ علم و حکمت اس کی متاع گم شدہ ہیں وہ انھیں جہاں بھی پاتا ہے اپنا لیتا اور ان پر اپنا حق سمجھتا ہے۔

وہ عالم گیر انسانی اخوت و مساوات اور انسانی وحدت اور ایک مشترک عالمی ثقافت، انسان کے مشترک مستقبل اور مقدر اور عالمی امن و محبت کا علمبردار ہے، اس کے نزدیک "ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو وہ فرد زیادہ محبوب ہے جو اسکے کنبے کا محسن اور خیرخواہ ہے"۔[1] وہ قومی، لسانی اور جغرافی و سیاسی حدبندیوں کو انسانی برادری کے لئے طوق غلامی سمجھتا ہے اور انسانوں کے درمیان کسی غیر فطری تقسیم کا قائل نہیں۔

اس طرح وہ علم و ادب کے اندر فرقہ پرستی اور گروہی عصبیت و وفاداری، قدیم و جدید اور ترقی پسندی اور قدامت پرستی کی تقسیم و تفریق کے بجائے ادب کو حق و باطل، اخلاص و نفاق، انسانیت و حیوانیت، صالح و صحت مند یا فاسد و مریضانہ ذہنیت اور اخلاقی و غیر اخلاقی، شریفانہ و بہیمانہ اقدار و معیار پر جانچتا اور پرکھتا ہے اور حقیقت نگاری اور سچائی پر زور دیتا ہے۔

'ادب برائے ادب' یا 'فن برائے فن' کے بجائے 'ادب برائے زندگی و بندگی' اس کا ادبی نصب العین ہے، اس کی نظر میں خدا کی ذات جمال و کمال، اور خیر و صداقت کا سرچشمہ ہے اور اسمائے الٰہی وصفات باری تمام اقدار عالیہ اور اخلاق فاضلہ کا مرجع و ماخذ ہیں۔ اس کی غرض و غایت سطحی، سستی اور وقتی تفریح نہیں بلکہ ذہنی بالیدگی و کشادگی اور قلبی و روحانی نشاط و انبساط ہے، اسلامی ادب کے پیش نظر ایک فلاحی و مثالی معاشرے کی تعمیر اور ایک مرد مومن و بندۂ مولیٰ صفات یعنی مثالی انسان کی تربیت و تیاری اور ذوق سلیم اور پاکیزہ فطرت کی آبیاری ہے۔ اس کا نغمہ و پیغام دم عیسیٰؑ، ید بیضا اور جمال و جلال مصطفےٰ کی پیروی اور ایمان و ایقان خلیل و اسمٰعیل علیہما السلام کا نقش آرائی ہے، وہ جب حق کا دفاع کرتا ہے تو جبریل امین اسکے ساتھ ہوتے ہیں اور تائید الٰہی اور امداد غیبی اس کی سرپرستی کرتی ہے جہاں صف حق و باطل کے لئے اس کا قلم تیغ جوہر دار بن جاتا ہے' وہیں حق و صداقت کی خاطر ابر گوہر بار ہو جاتا ہے۔

اسلامی ادیب نے ماضی میں بھی اپنے قلم سے صالح انقلاب کی نقش گری کی ہے اور اگر وہ اپنے کو پہچانے اور ایمان و اخلاق کے سرمایے سے کام لے تو آج بھی معاشرے میں ادب و ثقافت کے نام سے پھیلی ہوئی، بے ادبیوں اور بداخلاقیوں، فکری و ذہنی انتشار، فنی زوال و اضمحلال اور ہمہ گیر عملی انحطاط کو صالح فکری انقلاب، صحت مند ادبی و ثقافتی میلانات اور انسانیت دوست رجحانات کے ذریعے ایک عالم نو کی تعمیر و تشکیل اور نشاۂ ثانیہ کا سامان کر سکتا ہے۔

اقبال نے اسلامی شاعر و ادیب کے اسی مقام بلند کے پیش نظر اکبر الٰہ آبادی کو یہ فکر انگیز اور معنی خیز خراج عقیدت پیش کیا تھا:

سرزدہ طرز معنی کلیمے
یہ بت خانۂ اعصر حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابر بہارے
گہے خندۂ او چو تیغ اصیلے

دنیا کے عظیم ترین ادبی و ثقافتی شاہکار یعنی قرآن کریم میں شعراء اور ادباء کی جو دو قسمیں کی گئی ہیں وہ قول فیصل اور حرف آخر کا حکم رکھتی ہیں فرمایا گیا:

والشعراء یتبعھم الغاوون ألم تر أنھم فی کل واد یھیمون وأنھم یقولون ما لا یفعلون الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا۔ (الشعراء)

(اور شعراء کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کیا اور ظلم کئے جانے کے بعد بدلہ لیا)۔

اس آیت کریمہ سے صالح اور تعمیری ادب کے بنیادی نظریات سامنے آتے ہیں، اس میں پہلی بات یہ کہی گئی کہ شاعر کو اچھا اور صاحب کردار انسان ہونا چاہئے اور اس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہونا چاہئے جس کی وجہ سے گمراہ لوگ ان کی روش اپناتے ہیں مگر اس حکم سے وہ صاحب ضمیر فنکار مستثنیٰ ہیں جو ایمان و عمل صالح سے آراستہ ہونے اور اپنے کردار و گفتار کے ذریعہ خدا کو یاد کرتے اور خدا پرستی کی دعوت دیتے ہیں اور ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔

قرآن کی نظر میں اسلامی ادیب، صرف فن کار نہیں بلکہ صاحب یقین، صاحب ضمیر اور مثالی انسان بھی ہوتا ہے وہ روایتی شعراء کی طرح خیال پرست اور خلوت پسند نہیں بلکہ معاشرے کا ایک حساس اور باعمل فرد ہوتا ہے وہ حالات سے بے تعلق نہیں ان پر اثر انداز ہونے اور انھیں بدلنے کے لئے مثبت رول ادا کرتا ہے اور حق پرستی کی فضا پیدا کر کے معاشرے سے ظلم و استحصال کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کے بارے میں فرمایا کہ: "شعر بھی کلام کی طرح ہے جس پر کلام ہی کی طرح حسن و قبح کا اطلاق ہوتا ہے۔" اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر و ادب کا اصل معیار اسکی صداقت و معنویت، اور اصلیت و افادیت ہے اور حق و عدل، خیر و صلاح، خلوص و انسانیت، اور سوز و گداز ہی کا وہ حسن حقیقی ہے جو اسلامی ادبیات کا مقصود ہے۔

حضرت عمر رضؓ (جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح عربی شاعری کے سب سے بڑے ناقد و مبصر تھے) حضرت ابوموسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا کہ:

مر من قبلك بتعلم الشعر فانہ یدل علیٰ معالی الاخلاق وصواب الرای ومعرفة الانساب۔

(اپنی طرف سے لوگوں کو شعر سیکھنے کا حکم دیجئے کیونکہ وہ اخلاق اصابت رائے اور انساب کی رہنمائی کرتا ہے)۔

وہ زہیر کو اسی وجہ سے اشعر الشعراء کہتے تھے کہ "وہ مشکل اور پیچیدہ انداز نہیں اختیار کرتے تھے اور مدح میں سچائی سے کام لیتے تھے": وکان لا یعاظل بین الکلام

[1] العمدہ ۱/ ۱۰ بحوالہ اسوۂ صحابہ ۲/ ۳۷۲

ولا یتبع حوشیه ولا یعید حالرجل الأبمافیه۔[۱]

صحابۂ کرام میں حضرت حسانؓ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور کعب بن زبیرؓ نے کتاب و سنت کے بعد اسلامی ادب کے معیاری اور مثالی نمونے پیش کئے اور بعد کی صدیوں میں بھی اس کے کم و بیش نمونے سامنے آتے رہے ہیں، درمیانی سلسلوں کو چھوڑتے ہوئے ہماری نگاہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس عظیم ثقافتی کارنامے پر ٹھہر جاتی ہیں جسے دنیا 'مکتوبات امام ربانی' کے نام سے جانتی ہے اور جن سے ہندوستان میں اسلامی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوتا ہے اور جس کے دور رس اثرات ہماری زندگی کو آج بھی متاثر کر رہے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے انقلابی افکار کے نتیجہ میں خانوادۂ ولی اللہی کی اصلاحی تحریک پیدا ہوئی جس نے تقریباً پورے ایشیا کے مسلمانوں میں فکر و عمل کا انقلاب برپا کر دیا اور اب جس سے ایک عالم متاثر ہے۔

اسی خانوادے کی اصلاحی تعلیمات کے زیر اثر حضرت سید احمد شہیدؒ کی اصلاحی تحریک شروع ہوئی جس نے مسلمانانِ ہند کے ادب و ثقافت کو بھی نیا رنگ و آہنگ بخشا اور جس نے اردو میں اصلاحی لٹریچر پر مشتمل ایک مستقل دبستان قائم کر دیا جس نے دبستان دیوبند اور دبستان ندوہ کی شکل اختیار کر لی بلکہ سرسید کے واسطے سے اس کے کچھ اثرات علی گڑھ اسکول تک بھی پہنچے۔

شیخ محمد اکرام سرسید کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ حضرت سید احمد بریلویؒ کی وہابی تحریک اصلاح سے بہت متاثر ہوئے انھوں نے اپنے آپ کو اس زمانے میں بالاعلان وہابی مسلمان کہا تھا جب سب وہابیوں کو باغی کہا جاتا تھا۔ حالی لکھتے ہیں کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے ان کے خیالات کی اور زیادہ اصلاح کی اور انھیں کسی قدر تقلید کی بندشوں سے آزاد کیا۔"[۲]

ولی اللہی تحریک کی اصلاحات سے مولانا حالی بھی بہت متاثر ہوئے جنھوں نے اردو تنقید و ادب میں اسلامی اقدار کو رواج دینے کی کوشش کی اور خاص طور پر اردو غزل کے لئے اخلاقی اصول متعین کئے اور اپنے دیوان اور مسدس کے ذریعہ ان کے فنی نمونے بھی پیش کئے اور شعر و شاعری پر اپنا وہ لافانی مقدمہ لکھا جو اب تک چراغ راہ کا کام دے رہا ہے۔ مگر پیروئ مغرب کی تلقین کرکے انھوں نے اپنے اصلاحی خیالات کو غیر مقبول اور مشکوک بنا دیا۔

دبستانِ ندوہ کے ادبی تصورات:

بانی ندوۃ العلماء مولانا محمد علی مونگیریؒ اور ان کے رفقاء کے ذہن میں نصاب درس کی اصلاح کے ساتھ اسلام کی مؤثر ترجمانی اور عربی ادب کی ترویج بھی تھی جس کے لئے انھوں نے کتاب و سنت کے ساتھ قدیم فصحائے عرب کی کتابوں کو ترجیح دی جو اسلام کے ادبی تصورات سے زیادہ قریب تھے اور تنقید کے لئے قرآنی معیارِ بلاغت کو سامنے رکھتے تھے اور ان کے اسلوب میں فصاحت و سلاست اور صداقت و واقعیت، سادگی و بے تکلفی اور قوت و تاثیر کارفرما ہوتی تھی۔

دبستانِ ندوہ کو شروع ہی سے نامور مصنفین اور اہل قلم کی خدمات حاصل ہو گئی تھیں جن کے سبب اس دبستان میں دین و ادب کے باہمی رشتے پر زور دیا جاتا تھا کیونکہ اس کے کارپردازوں کی ذہنی تربیت حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکات کے سائے میں ہوئی تھی چنانچہ اس دبستان فکر و فن سے وابستہ عربی اور اردو کے مشہور و نامور ادیب اور اہل قلم نے اسلامی ادب کو فروغ بخشا، ادبی رجحانات پر اثر انداز ہوئے اور صالح و صحت مند ادبی اقدار کے ذریعہ مذاقِ سخن بدل دیا، اور اسلامی ادبیات کا ایک وافر ذخیرہ فراہم کر دیا جو دارالمصنفین اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی گراں قدر کتابوں کی شکل میں موجود ہے۔

مولانا شبلیؒ:

دبستان ندوہ کے نامور اہل قلم علامہ شبلی کے ادبی تصورات کا سرچشمہ اسلام ہی ہے اسی لئے ان کے بیشتر نتائجِ فکر اسلامی ادب کے دلکش نمونے قرار پائیں گے۔ اپنے معاصر ادیبوں کے مقابلے میں ان کا اسلامی شعور پختہ، ہمہ گیر اور طاقتور ہے۔ ان کی شاعرانہ طبیعت کا جوش و خروش اسلامی افکار سے مل کر دو آتشہ ہو گیا ہے جس سے ان کے ادب میں تاثیر و قوتِ تسخیر پائی جاتی ہے۔

وہ ادبیات میں عربی اور فارسی کے قدیم اساتذہ کے قائل ہیں جن کے اکثر تنقیدی نظریات، صحت و صداقت پر مبنی اور قرآنی فصاحت و بلاغت کے اصول سے قریب ہیں۔

اس طرح انھوں نے شعر و ادب میں بھی مسلمانوں کی انفرادیت برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور تنقید کے مشرقی اصول پر زور دیا ہے۔ تاہم فن کے بارے میں انھوں نے اصلاحی تقاضوں کو زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھا جس کے نتیجے میں وہ شعر العجم میں فیضی اور فردوسی کے طرفدار ہو گئے ہیں، کہیں کہیں وہ جمالیاتی نقطۂ نظر اپنا لیتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی ان کے ادبی نقطۂ نظر میں بھی اسلام ہی کارفرما ہے۔ ان کے خیال میں ادب و اخلاق کا رشتہ بہت ناگزیر ہے جس کے نتیجے میں اردو اور فارسی میں متصوفانہ شاعری کا بڑا قابل قدر ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ انھوں نے منطق و فلسفۂ یونان کی طرح ارسطو کے نظریۂ شعر پر بھی تنقید کی اور حکمتِ ایمانیہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس تقریر سے امور ذیل ثابت ہوئے کلام کی خوبی صرف محاکات کا نام نہیں، کلام کی غرض و غایت صرف سامعین کو محظوظ کرنا نہیں بلکہ عقل کی سفارت اور پیغامبری کا ہے۔ کلام سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ اسلئے نہیں کہ کلام ایک قسم کا محاکات ہے اور محاکات انسان کی فطرت میں داخل ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ نطق ایک قوت ہے اور ہر قوت کے استعمال میں انسان کو خواہ مخواہ مزہ آتا ہے۔ انسان کا اصل خاصہ محاکات نہیں بلکہ نطق ہے۔ کلام کی خوبی سچائی پر موقوف ہے، ان مقدمات سے معلوم ہوگا کہ بلاغت جس چیز کا نام ہے وہ عقل کی دست و بازو اور انسانیت کا عنصر راستی کی مترجم اور فخر کا تاج ہے وہ اس رتبہ کی چیز ہے کہ ایک پیغمبر اولوالعزم کا معجزہ قرار پائے اسی کا اثر تھا کہ قرآن مجید کے اعجاز نے اعجاز موسوی کو بے حقیقت کر دیا۔ عصائے موسوی کا معجزہ یہودیوں یا قبطیوں کو غلامی کی حد سے آگے نہ بڑھا سکا لیکن اعجاز قرآن نے لوگوں کو حضیض خاک سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا، لیکن اگر بلاغت کی وہ حقیقت ہو جو ارسطو نے بیان کی تو نعوذ باللہ وہ کسی پیغمبر کا معجزہ کیا قرار پا سکتی ہے۔؟"

(مقالات شبلی ۲/۲۳، ۲۴) (۱۹۵۰ء)

'شعر العرب' اور عربی و فارسی شاعری کے موازنے میں بھی مولانا نے اصلاحی و تعمیری خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اسلام کی جہاں کشائی اور اس کے برکات کی جہانگیری کے اعتراف اور تعارف کراتے ہوئے اپنی مشہور زمانہ کتاب شعر العجم کا اس طرح آغاز کرتے ہیں:۔

"اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا، لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک میں جس قدر قابلیت تھی اسی قدر فیضیاب ہوئی۔ . . . ایران کی خاک فنون لطیفہ کی قابلیت میں بھی سب سے ممتاز تھی اور بالخصوص شاعری اس کا خمیر تھا، اسلام نے اس خاص جوہر کو زیادہ چمکایا اور اس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف۔"[۳]

مولانا شروانیؒ:

ندوۃ العلماء کے اولین محسنوں میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کا نام بہت نمایاں ہے، وہ اردو و فارسی کے صاحب طرز ادیب تھے اور اچھی تنقیدی بصیرت بھی رکھتے تھے جس کا نمونہ ان کی کتاب مقالات شروانی ہے ان کا ادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا جس میں اسلامی ثقافت کی شائستگی اور برگزیدگی نمایاں ہے، ہم یہاں اختصار کے خیال سے 'اسلامی آرٹ' پر ان کا ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسلامی آرٹ کا مفہوم بھی تفصیل طلب

ہے، سب سے بڑا اسلامی آرٹ وہ حسین زندگی ہے جو عالم انسانی میں خالق جمیل کے جمالِ کامل کے پرتو سے جلوہ فرما ہوئی۔ اسلام ہمانے مخلوق کو بلا واسطہ، خالق کے سامنے بٹھا کر یہ حسن و زیبائی زندگی میں پیدا کی۔ حبیب کبریاؐ (روحی فداہ) کی حیات طیبہ حسن و جمال سے لبریز ہے اور اسلامی آرٹ کا اعلیٰ اور اشرف نمونہ، اس کے بعد قرآن اور خالص اسلامی علوم ہیں پھر اسلامی تاریخ ہے جو دلوں پر تصرف و فرماں روائی کی دلکش مثالوں سے معمور ہے۔ الخ"[۱]

مولانا حکیم سید عبد الحی:

مولانا عبد الحی صاحب، خانوادۂ سید احمد شہیدؒ سے تعلق رکھتے تھے اسلئے اسلامیت گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی ان کے خاندان میں مولانا سید محمد ظاہرؒ اور خود ان کے والد ماجد مولانا حکیم فخر الدین خیالی اسلامی الفکر شاعر اور ادیب بھی تھے، انھوں نے اپنی کتابوں (الثقافة الاسلامية في الهند اور نزهة الخواطر) کے ذریعہ ہندوستان کی اسلامی ثقافت کی مستند تاریخ جس جامعیت اور توازن کے ساتھ مرتب کی ہے وہ ایک کارنامہ ہے۔

انھوں نے اپنے تذکرہ 'گل رعنا' میں (جو آزاد کی 'آب حیات' کے بعد اردو کا دوسرا اچھا تذکرہ ہے اور بعض حیثیتوں سے اس سے بڑھا ہوا ہے) اصابت رائے، سلامتِ ذوق اور اسلامی مزاج کے خوشگوار نمونے پیش کئے ہیں اردو شاعری کی تنقید میں انھوں نے اسلامی اور اخلاقی تعلیمات کو پیش نظر رکھا ہے جس کے لیے ان کا تذکرہ ممتاز مقام کا مستحق ہے۔ لکھنوی شاعری کا محاسبہ کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:۔

"سب سے بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ شاعری کے اس فطری جذبہ کو جس کا تہذیب و تمدن سے اس قدر مضبوط تعلق ہے کہ جس قوم میں کوئی روشن خیال اور باریک بین شاعر نہ ہو تو وہ متمدن نہیں کہی جا سکتی، اس کو ضلع جگت کے ساتھ فحش اور گندے مضامین سے اس دور کے شعراء پاک نہیں رکھ سکے عشق کو فسق اور آوارگی کا مرادف بنا دیا گویا ہماری اخلاقی حالت پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گئی، نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی قوت باقی نہ رہی، ملک و قوم کا مذاق سرے سے بگڑ گیا۔ الخ"[۲]

مولانا عبد السلام ندوی:

مولانا عبد السلام صاحب ندوی تنقیدی نظریات میں مولانا شبلی کے پیرو تھے اور اردو شاعری کے ناقد بصیر تھے، خاص طور پر اردو غزل کی تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی اور ان کی 'شعر الہند' شعر العجم کے سلسلے کی توسیع کا حکم رکھتی ہے۔ شعر و ادب میں وہ بھی اخلاقی حدود کی رعایت کے قائل ہیں۔ مگر وہ قدمائے عرب کے زیر اثر تغزل کو اس کے بنیادی مفہوم تک محدود سمجھتے ہیں جو اُن جیسے صاحب نظر ناقد کے شایانِ شان نہیں معلوم ہوتا۔ انھوں نے 'اقبال کامل' کے ذریعہ اقبال کے فنی محاسن کا جس طرح احاطہ کیا ہے وہ خاصے کی چیز ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام اقبال نے انھیں اپنے نقطۂ نظر کی تبدیلی پر آمادہ کر دیا تھا۔

ابن رشیق اور ابن قدامہ کے شعری نظریات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

"ان تمام تصریحات سے بہ ترتیب غزل گوئی کے جو اصول قائم ہو سکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ غزل کو صرف قوت منفعلہ کے مظاہر یعنی شیفتگی، فریفتگی، بےخودی، مدہوشی، شوق و حسرت، رنج و غم، درد و الم اور سوز و گداز وغیرہ کا مجموعہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ غزل میں زیادہ تر اُن جذبات و احساسات اور حالات کا اظہار کرنا چاہیئے جو عامۃ الورود ہوں، یعنی تمام عشاق کو پیش آنے والے ہوں یا پیش آتے ہوں۔

۳۔ معشوق کے جسمانی اوصاف کی تعریف غزل کی حقیقت سے خارج ہے، اس لیے جو شعراء اس قسم کے مضامین سے غزل میں کام لیتے ہیں وہ بہترین غزل گو شاعر نہیں تسلیم کیے جا سکتے۔

۴۔ غزل کے الفاظ 'شیریں'، نرم، خوشگوار اور واضح ہونے چاہئیں الخ"[۳]

دوسری جگہ لکھتے ہیں "اصول فن کے مطابق غزل کے چند سرسری اشعار جو میں نے آپ کو سنائے ان سے آپ کو اس قدر تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ فحاشی، بے حیائی، بدتمیزی، بد اخلاقی، رندی، سیہ کاری، اور شراب خوری جیسے قابل اعتراض مضامین غزل کے موضوع سے الگ ہیں، اس طرح اعلیٰ درجہ کے پیچیدہ مضامین بھی مثلاً فلسفہ، تصوف اور اخلاق کے مسائل اور سیاسی خیالات بھی عشق و محبت کے دائرے سے خارج ہیں صرف چند سیدھی سادھی نیاز مندانہ باتیں ہیں جو نرم، شیریں اور عاجزانہ لہجہ میں غزل میں بیان کی جاتی ہیں اس لئے غزل گو شاعر کا دائرہ نہایت محدود ہے۔"[۴]

مولانا سید سلیمان ندوی

علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد علامہ سید سلیمان ندوی علمی جامعیت کے ساتھ اسلامی نشأۃ ثانیہ کے سیاسی، ثقافتی اور ادبی تقاضوں سے پوری طرح آگاہ تھے اور انھوں نے اپنی تحریروں سے برصغیر کی ملت اسلامیہ کے دل و دماغ میں ہمہ جہت بیداری کی ایک لہر دوڑا دی، ان کے علمی و ادبی، سیاسی و ثقافتی خیالات میں گہرے تدبر اور توازن کا احساس ہوتا ہے۔

کتاب و سنت کے سرچشموں سے سیرابی کے ساتھ قدرت نے انھیں مطالعہ و مشاہدہ کی ہمہ گیری بھی عطا کی تھی جس کے ذریعہ انھوں نے اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیافت کی تمنا بیدار کر دی اس کے ساتھ ہی انھوں نے اسلامی علوم و فنون کی کئی شاخوں کی زندگی و تازگی کا سر و سامان کیا۔ ان کے تمام علمی کاموں میں اسلامی ذہن کارفرما ہے جس سے ان کے ادبی نظریات بھی الگ نہیں، اسلام کی ہمہ گیری کے سلسلے میں ان کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کے گھرانے سامی، تورانی، آرین، تین مستقل خاندانوں اور تین مستقل زبانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اسلام کا بڑا کارنامہ سب کو ملانا اور جوڑنا ہے۔ اسلام کا تمدن مصر و شام و عجم اور روم و یونان کے تمدنوں کا خلاصہ ہے، اس کے علوم و فنون ہندوستان، بابل، فارس، یونان اور اسکندریہ کے تجربہ خانوں اور درسگاہوں کا عطر ہیں۔ اس کی نسل تورانی، آریائی اور سامی قوموں کا مجموعہ ہے، اس کی زبان میں سنسکرت، پہلوی، قبطی، سریانی، لاطینی اور یونانی الفاظ و اصطلاحات کا ذخیرہ ہے۔ اسلام کی دنیا میں نسل، وطن اور زبان کی کوئی تفریق نہیں، جس طرح دنیا کا ہر گوشہ اس کا وطن ہے دنیا کی ہر لغت اس کی زبان ہے۔

عرب کے بادیہ نشیں جب فاتحانہ پرچم کے سایہ میں عرب کے ریگستان سے باہر نکلے تو جس طرح ایران کا درفش کاویانی، چین کی دیوار، مصر کے اہرام، افریقہ کے صحارا اور اندلس کا دریا، ان کے سیاسی زور و قوت کو روکنے سے عاجز تھا اسی طرح ان کی عربی زبان کی معنوی استیلاء و اقتدار سے بھی بچاؤ اُن کے لئے ناممکن تھا، ایران کی پہلوی، شام کی سریانی، مصر کی قبطی، افریقہ کی بربری اور اندلس کی اسپینی زبانیں دفعۃً پردۂ عالم سے گم ہو گئیں۔

ایرانی حکومت عرب سپہ سالاروں کے ماتحت تھے تو معبدوں اور کلیساؤں کی درسگاہیں عربوں کے ادبیات و علوم کی سرپرستی میں آ گئیں۔ سندھ کے کناروں سے اٹلانٹک کے ساحل تک ایک زبان تھی جو ساری دنیا پر حکمرانی کر رہی تھی اور وہ قرآن کی زبان تھی۔ ان ملکوں کی دیسی زبانوں کا یہ تغیر اور انقلاب عربوں کی زبردستی اور حکومت کے زور کا نتیجہ نہ تھا بلکہ خود عربی زبان کی سہولت، اس کے الفاظ کی ثروت، اس کے علوم کی کثرت کو اس میں دخل تھا۔"[۵]

اردو شاعری سے متعلق ان کے ایک چھوٹے سے اقتباس سے ان کا ادبی نقطۂ نگاہ معلوم ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:

"دلی دکنی سے لے کر امیر و داغ و جلال کے زمانے تک ہماری شاعری جس تنگ و محدود شاہراہ پر چل رہی تھی، اہل محفل کا دل اس سے اتنا اکتا گیا تھا کہ اگر نئے راستے نہ پیدا ہوتے تو اردو شاعری فنا ہو چکی ہوتی، مولانا شبلی کی تاریخی شاعری، مولانا حالی کا پند و موعظت، مولوی اسماعیل میرٹھی کی اخلاقی کہانیاں، ڈاکٹر

اقبال کا فلسفہ میر اکبر حسین کی پر معنی اور لطیف ظرافت اردو شاعری کی جدید تاریخ کے شاندار ابواب ہیں۔[1]

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ :

مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ، علامہ سید سلیمان ندوی کے حقیقی جانشین ہیں۔ ان کے عہد میں دبستان ندوہ کی جامعیت و اسلامیت میں ترقی ہوئی ہے، کتاب و سنت کے علمی و عملی ذوق، اسلامی ادب و ثقافت کے گہرے شعور، سید احمد شہید کی تحریک اصلاح و اقامت دین، اقبالؒ اور امیر شکیب ارسلانؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ حسن البناؒ سے آپ کے افکار بہت متاثر ہوئے ہیں۔

وہ عالمگیر اتحاد اسلامی کے قائل ہیں بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام کا پیام انسانیت دے رہے ہیں، وہ دنیائے اسلام کے عظیم داعی و مفکر ہیں اور موجودہ اسلامی بیداری میں انکا نمایاں حصہ ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ آپ کا نصب العین ہے اور اسلام کی صلاحیت و ابدیت پر یقین رکھتے ہیں، دین و سیاست اور دین و ادب کی وحدت کے قائل ہیں اور زندگی کی طرح ادب کو بھی اسلام کے زیر سایہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

ان کا ادبی تصور بہت وسیع و ارفع اور پاکیزہ ہے وہ ادب کو دولت و شہرت کے حصول کا طریقہ، ذریعہ معاش یا اتفاقی اور سطحی و وقتی جذبات کا ترجمان یا کسی محدود رجحان کا حاشیہ بردار نہیں سمجھتے بلکہ اس میں خلوص و صحت و صداقت، تعمیر و تسخیر کی قوت، زندگی و تازگی، سوز و گداز اور ابدیت و عالمگیریت کے آرزومند ہیں اور کتاب و سنت کے شہ پاروں اور صدر اسلام کے ادبی سرمایہ کو ادب عالی کا معیار سمجھتے ہیں۔

وہ عربی اور اردو کے صاحب طرز ادیب ہیں اس لئے انھوں نے اپنی دلکش نگارشات میں اپنے ادبی نظریے کو بخوبی برتا ہے ان کی ادبی کتابیں مثلاً روائع اقبال، پرانے چراغ، اور القراءۃ الراشدہ کے تین حصے ادب کی خاص رعنائی و برنائی رکھتے ہیں، مولانا اپنے ادبی زاویۂ نگاہ پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

"... دینی و علمی تحریروں کی برنائی، سحر انگیزی، قوت و دل آویزی کا راز صرف اس حقیقت میں مضمر نہیں ہے کہ یہ صحیح اور فنی تکلف کی قیود سے پاک اور سلیس و رواں ہیں بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان تحریروں کا باعث و محرک عقیدہ و وجدان اور جذبۂ دل اور قوت ایمانی ہے۔ ان کے برعکس جو تحریریں ادبی مظاہر کے لئے کسی بیرو وزیر، کسی اپنے بیگانے کی فرمائش پر اپنے ادبی ذوق کی تسکین، عوامی رجحان، حصول شہرت یا اپنی برتری کا سکہ جمانے کے لئے لکھی گئی ہیں، وہ اپنے سطحی محرکات کے سبب قوت و اثر سے خالی رہتی ہیں اور انھیں بقائے دوام نصیب نہیں ہوتا۔ اس مصنوعی ادب اور ایمان و وجدان کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ادب کے درمیان وہی فرق ہے جو زندہ انسان اور اس کی تصویر یا کرائے کی نوحہ گر اور اپنے لخت جگر پر رونے والی ماں کے درمیان ہوتا ہے۔ یہاں مجھے بچپن میں سنا ہوا قصہ یاد آرہا ہے، 'ایک کتے نے ہرن سے پوچھا کہ باوجود قوت و سرعت کے میں تم سے پیچھے کیوں رہ جاتا ہوں! ہرن نے جواب دیا اس لئے کہ تم اپنے آقا کے لئے اور میں اپنے لئے دوڑتا ہوں۔

یہ پیشہ ور ادیب اپنی تحریروں میں وہ بہروپئے نظر آتے ہیں جو بادشاہوں کے رول کے وقت شاہانہ جاہ و جلال کا نقشہ پیش کرتے ہیں اور فقیروں کے کردار میں فقیروں کا بھیس بنا لیتے ہیں، کبھی کسی قسمت کے دھنی کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور کبھی کسی قسمت کے مارے کا لیکن نہ انھیں خوش بختی کا مزہ معلوم ہوتا ہے نہ محرومی و بدبختی کی آنچ ان تک پہنچی ہوتی ہے وہ کبھی غمزدہ کے درد و غم کی کسک محسوس کئے بغیر اس کے شریک غم بنتے ہیں اور کبھی کسی خوش نصیب کی خوشیوں میں مسرت کے احساس کے بغیر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔"[2]

وہ مزید تحریر فرماتے ہیں: "ادب جس کو تقلید و روایت پرستی سے سب سے زیادہ انکار اور لکیر کا فقیر بننے سے زیادہ عار ہونا چاہئے تھا اور جس کی خمیر و سرشت میں جدت و جرأت، ذہانت، ذوق جمال اور ادب کی زبان میں حسن پرستی داخل ہے اور جس کو بلبل کی طرح ہر گل کا شیدا اور ہر منظر جمال و کمال کا شیفتہ و فریفتہ ہونا چاہئے اکثر موقعوں پر روایت پرست تعصب کا شکار اور رسم و رواج میں گرفتار نظر آتا ہے۔"[3]

[1] نقوش سلیمانی ص ۱۷۶، [2] مقدمہ مختارات ص ۱۵، [3] مقدمہ صبا یا جنگ ص ۸ (لکھنؤ ۱۹۷۲ء)

بقیہ صفحہ ۳ : اداریہ

کہ اللہ تعالیٰ کو جب کوئی کام لینا ہوتا ہے تو بسا اوقات بہتے اور کمزور ہاتھوں سے محیر العقول کارناموں کی ابتداء کرا دیتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء تاریخ ادب عربی میں ایک موڑ ثابت ہو۔

ع - کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

(ع - ع - ن)

بقیہ ص ۶

شخص نے "مذکرات سائح فی الشرق العربی"[1] اور "أريد أن اتحدث الى الاخوان"[2] کا ایک ایک حرف پڑھا ہے، ہم نے مولانا مسعود عالم ندوی کی "تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ فی شبہ القارۃ الهندیۃ" پڑھی ہے، ہم آپ کے خرمن علم کے خوشہ چین ہیں، ہم آپ کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے آئے ہیں، آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں، آپ کے علماء اور داعیوں کے احسانات کا اعتراف کرنے اور عزت و احترام کے جذبات کا اظہار کرنے آئے ہیں۔

یہ عظیم ادارہ جس کی تاسیس پر دسیوں سال گذر چکے ہیں میں آپ سے کہتا ہوں (جب کہ رنج و افسوس میرے دل کے ٹکڑے کر رہا ہے)، کہ ہم عرب ممالک بلکہ اور بہت سے اسلامی ممالک میں ان اداروں میں میں نے (جن پر کئی نسلیں گزر چکی ہیں) وہ روح نہیں پائی جو اس ادارہ میں ہے۔ ہمارے یہاں ایک ادارہ قائم ہوتا ہے اور نسل بھی نہیں گزرتی کہ وہ ٹوٹنے لگتا ہے، اس کے اجزاء منتشر ہونے لگتے ہیں اور وہ پیوند زمین بن کر رہ جاتا ہے لیکن آپ کے اس کوہ پیکر قلعہ میں ہم اداروں کی حقیقی روح پا رہے ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ کئی دہائیاں اس پر گذر چکی ہیں لیکن یہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ادا کر رہا ہے اور علم پھیلا رہا ہے، حیرت ہے کہ اس دیار میں عرب آئیں اور اگر عربی زبان بولیں اور پھر وہ زبان بسہولت سمجھی جائے، درحقیقت یہ قرآن کا معجزہ ہے، یہ آپ کی ثابت قدم اور مجاہد روح ہے۔

میں آپ کو عزت و احترام کا سلام کرتا ہوں، میں آپ سے سیکھتا ہوں، میری یونیورسٹی اور مسلمانوں کی تمام یونیورسٹیوں کے لئے مسرت کی بات ہے کہ وہ آپ کے ساتھ کام کریں، "المحیا محیاکم والممات مماتکم"[3] (ہماری زندگی آپ کی زندگی کے ساتھ، ہماری موت آپ کی موت کے ساتھ ہے)۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون وستردون الی عالم الغیب والشهادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون" (اے نبی! کہہ دیجئے کہ عمل کرو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھے گا اور اس کا رسول اور سارے مومن، اور عالم الغیب والشہادہ کے یہاں تمہیں واپس بلایا جائے گا وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے تھے)۔

خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ دنیا میں اپنی طاعت پر ہمیں جمع کرے اور آخرت میں مقام رحمت میں ہم سب کو اکٹھا کرے، اپنے لئے، آپ کے لئے خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس شخص کے لئے جس نے اس عظیم قلعہ کی ایک اینٹ بھی لگائی ہو اور خدا سے اس کے لئے رحمت اور فردوس بریں کا سائل ہوں۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

[1] شرق اوسط کے اس سفر کا روزنامچہ اور سفرنامہ ہے جو مصنف نے ۱۹۵۱ء میں کیا تھا۔

[2] وہ مقالہ ہے جو مقالہ نگار نے "اخوان المسلمون" کے قائدین اور ذمہ داروں کی ایک خاص مجلس میں پڑھا تھا۔

[3] یہ وہ الفاظ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا عالمی مذاکرۂ علمی

ادبیات کا اسلامی تصور

نور الحق رحمانی

حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے فکر اور جامع تعلیمی نقطۂ نظر پر ہندوستان میں قائم ہونے والی اسلامی درسگاہوں میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامعہ رحمانی مونگیر امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، دار العلوم ندوۃ العلماء دینی و دنیاوی علوم کے درمیان ایک صحت مند امتزاج کا داعی اور جدید تعلیمی نقطۂ نظر کا سب سے بڑا مرکز ہے جو اپنی تاریخ، روشن خدمات، اور جامع فکر کی وجہ سے عالمی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اور نہ صرف اس برصغیر بلکہ پورے عالم اسلام میں مقبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

ندوۃ العلماء نے آج سے چھ سال قبل شوال ۱۳۹۵ھ میں ایک عظیم الشان پچاسی سالہ جشن تعلیمی منعقد کیا تھا جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا منفرد علمی اجتماع تھا، اور جس میں ندوہ کے فضلاء اور ملکی علمی و دینی شخصیتوں کے علاوہ عالم عرب اور عالم اسلام کے مشہور ماہرین تعلیم، ممتاز اہل فکر و نظر، دانشور، اسلامی یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور مسلم جماعتوں کے نمائندے بڑی تعداد میں شریک ہوئے تھے۔ یہ بڑا اہم دینی اور تاریخی اجتماع تھا جس میں ندوۃ العلماء کی تاریخ اور گراں قدر دینی و ملی خدمات کا جائزہ لیا گیا تھا۔ اس اجتماع کے ذریعہ ندوۃ العلماء کی جد و جہد، تعلیمی فکر، طریقۂ کار بالخصوص زبان و ادب اور تصنیف و تالیف کے میدان میں اس کی شاندار خدمات کا تعارف عالمی پیمانے پر ہو گیا تھا۔ اس جشن کے بعد ندوۃ العلماء نے مختلف میدانوں میں قابل لحاظ اور محسوس ترقی کی، وہاں کئی نئے تعلیمی شعبے کھلے، طلبہ کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، "رواق اطہر" کے نام سے ایک وسیع سہ منزلہ دار الاقامہ کی تعمیر ہوئی اور ایک عظیم الشان پانچ منزلہ کتب خانہ زیر تعمیر ہے۔

زبان و ادب، تصنیف و تالیف، سیر و سوانح اور تاریخ نگاری اور عربی ادب کے میدانوں میں ندوۃ العلماء کی خدمات بہت نمایاں اور قابل قدر ہیں اور اس کے موجودہ سربراہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے تو اپنی بے نظیر دعوتی، تاریخی اور ادبی تصنیفات کی بنا پر عالمی شہرت حاصل کر لی ہے — عربی ادب کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کی خدمت خاص طور پر مسلم ہے، بلکہ اس برصغیر کے دینی مدارس میں ندوۃ العلماء کا یہ وجہ امتیاز ہے، فضلاء و ارباب ندوہ نے عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے مستقل نصاب تیار کیا ہے اور ان کی تصنیف کردہ کتابیں، مختارات، منثورات، القراءۃ الراشدہ، قصص النبیین اور معلم الانشاء وغیرہ ہندوستان کے بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہیں، چنانچہ اسی امتیاز کے پیش نظر ارباب ندوہ نے ۱۷، ۱۹ اپریل ۱۹۸۱ء تک ایک بین الاقوامی، اسلامی و ادبی سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا جس کا انھیں پوری طرح حق تھا، اور اس میں عالم عرب اور عالم اسلام کے چوٹی کے ادباء و مصنفین اور ممتاز اہل قلم، دانشور اور مفکرین کو شرکت کی دعوت دی، جن کا نام اس سلسلے میں نمایاں ہے یا جنھوں نے اس میدان میں کوئی خدمت انجام دی ہے۔

سیمینار کا مقصد

اس ادبی سیمینار کے منعقد کرنے کا مقصد جیسا کہ اس کے داعیوں کی تحریروں اور سیمینار میں شرکت کے بعد ان کے بیانات سے سمجھا گیا وہ حسب ذیل ہے:-

اسلامی ادب کے تصورات و نظریات پر بحث کرنا، ادب کی تاریخ اور اسلامی ادب کے ذخیروں کا نئے سرے سے جائزہ لینا۔ اس کی ترقی اور نشاۃ ثانیہ کے امکانات پر غور کرنا۔ مختلف زبانوں کے ادبیات پر اسلام کے اثرات کا جائزہ لینا، ادب کی حیثیت عرفی بحال کرنا اور اسے اس کے مروجہ محدود تصورات سے نکال کر زندگی کی وسعتوں سے ہمکنار کرنا، قافیہ آرائی اور تقلیدی طرز سے پاک صالح، فطری اور تعمیری ادب کو اس کا جائز مقام دلانا، تخریبی، تفریحی، مصنوعی اور پیشہ ورانہ ادب کے تعمیری اور فطری ادب کی جگہ لینے کی وجہ سے معاشرے میں جو برائی، فحاشی، فکری انارکی، اور غیر انسانی قدریں رواج پا گئی ہیں، اس کے نقصانات پر غور کرنا اور ان اسلامی ادباء و مصنفین کو ان کا جائز مقام دلانا جن کا کلام مصنوعی ادب کے تکلفات اور عبارت آرائی سے پاک اور صالح فطری ادب کا شاہکار اور زندہ نمونہ ہے اور جس میں انسان کے صحیح جذبات و احساسات کی ترجمانی اور صحیح خیالات کی عکاسی ہوتی ہے۔

نئی نسل اور مسلم نوجوانوں کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اس دور کے زبان و ادب میں آگے بڑھ کر حصہ لیں اور اس میدان میں اپنا تفوق اور برتری ثابت کریں اور آگے بڑھ کر زبان و ادب کی قیادت کا عہدہ سنبھالیں، کیونکہ اگر اس کی قیادت کی باگ ڈور دیندار اور صالح افراد کے ہاتھوں ہوگی تو ملک و معاشرے میں صالح قدریں فروغ پائیں گی اور ان تخریبی و غیر فطری قدروں اور اخلاقی زوال سے انسانوں کو نجات ملے گی جو غیر صالح اور پیشہ ور افراد کے ہاتھوں میں زبان و ادب کی باگ ڈور پہنچ جانے کی وجہ سے رواج پا گئی ہیں۔

نیز قرآن و حدیث، صحابہ و خلفاء راشدین اور قدیم اسلامی ادباء و محققین کے کلام میں ادب کے جو دلکش اور دل آویز نمونے اور طاقت و قوت اور جدت و ندرت سے بھرپور، زندہ رواں اور سلیس ادبی جواہر پارے بکھرے پڑے ہیں، انہیں قدیم ثقافتی ذخیروں سے کھنگال کر نکالنا اور نئی نسل کے سامنے پیش کرنا تاکہ اپنے دین اور اسلاف و اکابر کے ساتھ ان کا اعتماد بحال ہو اور دین و ادب کا رشتہ استوار اور مضبوط سے مضبوط تر ہو۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۷ اپریل روز جمعہ کو اس سہ روزہ عالمی ادبی سیمینار کا آغاز ہوا جس میں ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں اور مرکزی تعلیمی اداروں کے نمائندوں کے علاوہ سعودی عرب، مصر، قطر، متحدہ عرب امارات، عمان، شام، اردن، پاکستان، اور بنگلہ دیش اور دوسرے عرب ممالک کے ممتاز ادباء و شعراء، ماہرین تعلیم اور اہل فکر و اہل قلم حضرات شریک ہوئے اور ہندوستان کے مرکزی اداروں میں دار العلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ رحمانی مونگیر، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ، بنارس یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی اور دوسرے مدارس وغیرہ کے وفود اور نمائندے شریک ہوئے۔ جامعہ رحمانی کا وفد تین افراد پر مشتمل تھا، جناب مولانا شرف الدین صاحب قاسمی، راقم الحروف نور الحق رحمانی اور مولوی ناصر حسین رحمانی متعلم شعبہ افتاء جامعہ رحمانی مونگیر، ہم لوگ ۱۷ اپریل روز جمعہ کو ۸ بجے صبح لکھنؤ پہنچے، اسٹیشن پر ندوۃ العلماء کے طلباء رہنمائی کے لئے موجود تھے، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور قطر وغیرہ کے وفود حضرات پہلے ہی پہنچ چکے تھے، مصر کا وفد سیمینار کے افتتاح کے بعد کچھ تاخیر سے لکھنؤ ہوائی اڈے پہنچا، بیرونی ممالک کے مہمانوں کی تعداد چالیس سے اوپر تھی۔

سیمینار کے افتتاحی اجلاس کا آغاز

پروگرام کے مطابق افتتاحی اجلاس کا آغاز ۱۷ اپریل روز جمعہ کو ساڑھے نو بجے صبح ندوۃ العلماء کے زیر تعمیر پانچ منزلہ عظیم الشان کتب خانے کے وسیع ہال میں ہوا، یہ علماء و اہل علم کا منتخب اور بے نظیر

اجتماع تھا، جس میں اسلامی ادب کے چوٹی کے ادباء و محققین، نامور اہل علم و اہل قلم اور دنیائے اسلام کے ممتاز دانشور و اصحاب فکر جمع تھے، کلام پاک کی تلاوت کے بعد سیمینار کے داعی اور ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، نے اپنا عالمانہ خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا جس میں اسلامی علوم اور عربی زبان و ادب کے سلسلے میں علمائے ہند کی عظیم الشان اور بے مثال خدمات پر روشنی ڈالی گئی تھی، عرب مہمانوں کے بلند مقام و مرتبے اور ان کی علمی حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ نے ان کا خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ ہمیں خوشی ہے کہ آج ہندوستان کی سرزمین پر قرآن مجید کی زبان میں ہم آپ کا استقبال کر رہے ہیں، جس قرآن مجید نے ہمارے دلوں میں عربی زبان کی محبت ڈالی، اور اپنی مادری زبان اور وطن کی بولیوں پر اسے ترجیح دلائی۔ یہ قرآن مجید کا فیض اور عربی زبان سے غایت درجہ عشق و تعلق کی بات ہے کہ ایک عجمی اور غیر اسلامی ملک عربی زبان و ادب پر یہ بین الاقوامی سیمینار منعقد کر رہا ہے۔ اور عالم عرب کے باکمال اور نامور ادباء و محققین کو اس میں شرکت کی دعوت دے رہا ہے، اگر اسلام اور قرآن کا رشتہ نہ ہوتا تو یہ عربی سیمینار ایسی سرزمین پر منعقد نہ ہوتا، جہاں عربی زبان کبھی بھی سرکاری زبان یا عوامی سطح پر بول چال اور مراسلت کی زبان نہیں رہی ہے۔

آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ باوجودیکہ عربی زبان اس ملک کی قومی زبان نہیں ہے لیکن اس کا تعلق عربی میں تصنیف و تالیف سے بہت قدیم ہے اور یہاں صدیوں سے قرآن و حدیث کی تعلیم اور اسلامی علوم میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے، آپ نے اس سلسلہ میں عظیم محدث الربیع بن صبیح سعدی کا تذکرہ کیا، جنھوں نے اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے تصنیف کا کام کیا، وہ دوسری صدی ہجری میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور یہیں خدا کی راہ میں شہادت پائی، پھر آپ نے امام لغت و امام فقہ و حدیث جناب شیخ حسن بن محمد الصغانی (متوفی ۶۵۰ھ) کا تذکرہ کیا، جو اسی برصغیر میں پیدا ہوئے تھے، اور جنھوں نے لغت نویسی کی بنیاد ڈالی، اور لغت پر ان کی بے نظیر اور شہرۂ آفاق تصنیف "العباب الزاخر" دس جلدوں میں ہے، پھر آپ نے علامہ طاہر پٹنی (متوفی ۹۸۶ھ) اور ان کی کتاب "مجمع بحار الانوار" کا تذکرہ کیا، جو چار ضخیم جلدوں میں ہے اور جس میں حدیث نبوی کے غریب الفاظ کی تحقیق ہے، اسے اپنی جامعیت اور علمی قدر و قیمت کے لحاظ سے صحاح ستہ کی شرح کہا گیا ہے، ان کتابوں کے تذکرے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ علمائے ہند کی بلند ہمتی، عالی حوصلگی، خود اعتمادی اور عربی زبان میں ان کے رسوخ و مہارت اور کامل دسترس کی دلیل ہے کہ انھوں نے لغت اور حدیث جیسے نازک ترین موضوع کو اپنی علمی تحقیق کا میدان بنایا، جبکہ یہ دونوں ہی فن انتہائی دشوار اور اہم ہیں، یہی وجہ ہے کہ بعد کے تمام مصنفین و محققین نے ان کتابوں کو اپنا مرجع تسلیم کیا ہے۔

پھر آپ نے دوسرے ہندوستانی علماء و مشائخ اور باکمال افراد مثلاً شیخ عبدالنبی احمد نگری، شیخ محمد اعلیٰ تھانوی، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی صاحب "تاج العروس فی شرح القاموس" مولانا سید غلام علی بلگرامی، علامہ محمود جونپوری، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب "حجۃ اللہ البالغہ" علامہ محسن بن یحییٰ ترہتی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور مورخ کبیر علامہ سید عبدالحی حسنی صاحب "نزہۃ الخواطر" وغیرہ کا خاص طور پر تذکرہ کیا، اور ان کی علمی، دینی، ادبی، اور تاریخی تصنیفات پر روشنی ڈالی، جو اپنی قدر و قیمت کی وجہ سے تمام علمی و دینی حلقوں کی طرف سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔

خطبہ کے اخیر میں آپ نے فرمایا کہ علمائے ہند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے اس برصغیر میں ادبی تحریک کی قیادت کی ہے، اور وہ زبان و ادب کے ستون تسلیم کئے گئے ہیں، یہاں کے علماء و ادباء کے درمیان وہ خلیج نہیں ہے، جو بعض عرب ممالک میں پائی جاتی ہے، پھر آپ نے عربی ادب کی تعلیم کے لئے نئے نصاب اور نئی کتابوں کی تدوین کے سلسلہ میں ندوۃ العلماء کی خدمات کا تذکرہ کیا اور سیمینار کے مقصد کی وضاحت اور عرب مہمانوں کے شکریے کے ساتھ اپنا خطبہ ختم کیا، اس خطبے کا اردو ترجمہ جناب ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس نائب صدر مجلس استقبالیہ نے پڑھ کر سنایا، جو معیاری زبان و ادب، سلاست و روانی اور حسن انشاء کا بہترین نمونہ تھا۔

عرب وفود کے سربراہوں کی تقریریں

افتتاحی خطبہ کے بعد عرب وفود کے ذمہ داروں نے اظہار خیال کیا، اور بعض شعراء نے عربی کے وہ اشعار سنائے جو اسی مناسبت سے کے لئے کہے گئے تھے، سب سے پہلے سعودی کابینہ کے سابق مشیر شیخ عبدالعزیز رفاعی نے سیمینار کے موضوع، ندوۃ العلماء کی خدمات اور مولانا علی میاں کی شخصیت اور دینی کارناموں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی، اور ایک تہنیتی قصیدہ سنایا، اس کے بعد حکومت قطر کے وفد کے سربراہ اور مذہبی امور کے ڈائرکٹر شیخ عبداللہ بن ابراہیم انصاری نے اپنے وفد کے قائد کی حیثیت سے اظہار خیال کیا، اور فصیح عربی زبان میں عالمانہ تقریر کی، اخیر میں امام محمد بن سعود ریاض یونیورسٹی کے عربی کالج کے معتمد جناب ڈاکٹر فتحی عثمان نے تقریر کی۔ تقریر کیا تھی، فصاحت و بلاغت کا آبشار، سلاست و روانی کا سیل رواں، پاکیزہ جذبات اور بلند خیالات کا ابلتا ہوا چشمہ، زوردار عربی اسلوب، صاف و شیریں زبان، اور شستہ و شگفتہ انداز بیان، مجمع پر بالکل سناٹا چھایا تھا، ہر شخص سراپا گوش بنا ہوا تھا، بیس منٹ کی اس پُر اثر اور جوشیلی تقریر نے مجمع پر غیر معمولی اثر ڈالا، فاضل خطیب نے عربی زبان کی اہمیت، اسلام سے اس کے تعلق اور عالمی سطح پر اس کے رواج و شہرت کے اسباب پر روشنی ڈالی اور کہا کہ یہ سب اسلام کا فیض اور قرآن کریم کی برکت ہے، اگر قرآن کریم اس زبان میں نازل نہ ہوتا تو عربی زبان کو یہ وسعت و ہمہ گیری یہ عالمی شہرت اور بقاء و دوام حاصل نہ ہوتا، یہ قرآن کریم ہی کا فیض ہے کہ ایک عجمی اور غیر اسلامی ملک جو مرکز اسلام سے بہت دور ہے، اس کے قلب میں یہ عظیم الشان عربی اسلامی یونیورسٹی قائم ہے اور ہم یہاں پہنچکر عربی میں تقریر کرتے اور بولتے ہیں اور ہمیں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی اور ایسا لگتا ہے کہ ہم اپنے وطن اور اہل وطن کے درمیان ہیں۔

پھر آپ نے اسلامی علوم اور عربی زبان و ادب کے سلسلے میں علمائے ہند کی عظیم الشان خدمات کا اعتراف کیا، خصوصیت کے ساتھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق اور مایۂ ناز تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن، مولانا سید عبدالحی حسنی کی تاریخی کتاب "نزہۃ الخواطر" اور مولانا سید سلیمان ندوی کی "الرسالۃ المحمدیہ" عربی ترجمہ خطبات مدراس" مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب "تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند" اور مولانا علی میاں ندوی کی بعض کتابوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ان میں سے اکثر کتابیں میں نے حرفاً حرفاً پڑھی ہیں اور ہماری موجودہ نسل بھی ان کتابوں سے پوری طرح مستفید ہوئی۔ عرب کا کون صاحب علم ہوگا جس نے "مذکرات سائح فی الشرق الاوسط" (شرق اوسط کی ڈائری) کا لفظ بلفظ مطالعہ نہ کیا ہو، ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ تقریر اس وقت کی تمام تقریروں سے زیادہ مؤثر تھی، مولانا علی میاں صاحب ندوی نے مختصر طور پر اردو میں اس کا ترجمہ پیش فرمایا، تقریباً سوا بارہ بجے یہ افتتاحی اجلاس ختم ہوا، پھر جمعہ کی اذان ہوئی اور ایک بجے خطبہ شروع ہوا، خطبہ عرب کے مشہور عالم دین اور حکومت قطر کے مذہبی امور کے ڈائرکٹر شیخ عبداللہ انصاری نے دیا، آپ نے عام مسلمانوں کو صلاح و تقویٰ، اطاعت، باہمی اتفاق و اتحاد اور اسلامی احکام کی پیروی کی تلقین کی۔ تقریر بہت مؤثر اور طاقت ور عربی زبان میں تھی۔

علمی و ثقافتی نمائش

ندوۃ العلماء کی قدیم لائبریری کے وسیع ہال میں علمی نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا جس کا افتتاح شام کو عصر کی نماز کے بعد ہوا، یوں تو سیمینار کا ہر پروگرام دلچسپ اور افادیت و معنویت سے بھرپور تھا، لیکن یہ علمی نمائش خاصی اہم اور پرکشش تھی، اس کا اہتمام پہلی دفعہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر کیا گیا تھا جس کا تذکرہ جشن میں شریک ہونے والوں سے سنا تھا، اس مرتبہ کچھ تبدیلی اور نئی ترتیب کے ساتھ اس کا اہتمام کیا گیا تھا، اس نمائش کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس سے ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون کے ارتقاء، ممتاز و باکمال علماء اور ان کی علمی و دینی خدمات کی روشن تصویر سامنے آتی تھی۔

ہندوستان کی یگانۂ روزگار شخصیتوں، اسلامی علوم کے ماہرین، علماء مشائخ، نامور محدثین و مفسرین، فقہاء، ممتاز مصنفین و مورخین، ادباء و شعراء، ماہر سیاستداں و سلاطین اور ہندوستان میں اپنے موضوع کی منفرد کتابوں کے علیحدہ علیحدہ چارٹ بڑی عرق ریزی اور محنت سے تیار کئے گئے تھے، اور بورڈوں پر نہایت سلیقے اور قرینے سے آویزاں کئے گئے تھے، جنھیں پڑھ کر اجمالی طور پر ہندوستان کی تاریخ، مسلمانان ہند کی دینی و علمی سرگرمیوں اور مختلف النوع خدمات کی اجمالی تصویر سامنے آتی تھی۔ تمام علماء و مندوبین اور عرب مہمانوں نے بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ اس کا معاینہ کیا، "الرائد" اور "البعث الاسلامی" کے مختلف شمارے بھی میز پر قرینے سے رکھے تھے۔ "الرائد" کا تازہ شمارہ بھی مہمانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا، عرب مہمان مغرب کی اذان تک علمی نمائش کا معائنہ اور ہندوستانی علماء سے ہال کے اندر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

سیمینار کا پہلا اجلاس

مغرب کے بعد سیمینار کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں اسلامی اور عربی ادب پر متعدد تحقیقی، علمی اور جامع مقالات پڑھے گئے، یہ مقالہ نگار ممتاز عرب یونیورسٹیوں کے جید فضلاء، اور ممتاز اساتذۂ ادب تھے، ہر مقالے کے بعد حاضرین کو مناقشے کا موقع دیا جاتا اور پڑھے گئے مقالے پر اہل علم حضرات نقد و تبصرہ اور علمی سوالات کرتے، مناقشے میں عرب مہمانوں کے علاوہ مولانا بدرالحسن قاسمی ایڈیٹر عربی جریدہ "الداعی" دارالعلوم دیوبند اور مولانا عبدالحلیم ندوی، پروفیسر ادارہ مرکزیہ عربی حیدرآباد وغیرہ نے کھل کر حصہ لیا، یہ علمی مناقشہ بہت ہی اہم اور عربی ادب کے اساتذہ کے لئے خاص فائدے کی چیز تھی جس سے عرب اساتذہ کا فکر و نظر، طریقۂ درس، علمی بحث و مباحثے کا انداز اور ان کا عربی اسلوب و لہجہ سامنے آتا، رات کے نو بجے اجلاس ختم ہوا، اجلاس کے اختتام پر مولانا رابع ندوی صدر شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء نے یہ اعلان کیا کہ کل سے عربی اور اردو و انگریزی سیمینار کی محفلیں الگ الگ ہوں گی، عربی سیمینار اسی ہال میں ہوگا، اور اردو، فارسی، انگریزی کی مجلس ندوہ کے ثانویہ میں واقع "قاعۃ المحاضرات" میں ہوگی۔

۱۸ر اپریل کی مجالس

اعلان کے مطابق ۱۸ر اپریل روز سنیچر کو عربی اور اردو سیمنار کی علیحدہ علیحدہ نشستیں ہوئیں، اردو، فارسی اور انگریزی کی مشترکہ نشست کی صدارت جناب سید صباح الدین عبدالرحمن ایڈیٹر "معارف" دارالمصنفین اعظم گڑھ نے فرمائی، اس کا افتتاح مولانا علی میاں ندوی نے فرمایا، اس اجلاس میں چودہ مقالات پڑھے گئے جو ملک کے ممتاز اہل قلم اور اصحاب فکر و نظر کے افکار و خیالات پر مشتمل تھے، جن میں اسلامی ادب کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی صحافت، ہندوستانی مدارس میں زبان و ادب کی تعلیم اور عالم اسلام کے اہم مسائل و مشکلات اور ان کے حل پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی، یہ مقالات بڑے پر مغز اور مفید معلومات پر مشتمل تھے۔

عربی اجلاس سعودی کابینہ کے سابق مشیر السید عبدالعزیز رفاعی کی صدارت میں منعقد ہوا، جس کا افتتاح سلطنت عمان کے مفتی اعظم شیخ احمد بن حمد خلیلی نے فرمایا۔ آپ نے عربی اور اسلامی ادب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس میدان میں ندوۃ العلماء اور اس کے ناظم اعلیٰ مولانا علی میاں ندوی کے کارناموں کو سراہا، اس اجلاس میں دس مقالے پڑھے گئے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے عصرانہ

۱۸ر اپریل کی شام کو ندوۃ العلماء کی مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے عرب علماء و مندوبین کو ایک عصرانہ دیا گیا، یہ عصرانہ مجلس کی عمارت سے متصل اس کشادہ میدان میں دیا گیا جسے شامیانوں سے گھیر اگیا تھا اور جس میں مجلس سے شائع شدہ خوبصورت اور دیدہ زیب کتابوں کی نمائش کا بڑے قرینے سے انتظام کیا گیا تھا، اس مجلس کا مقصد مغرب کی مادہ پرست تہذیب کے لائے ہوئے فتنوں کا مقابلہ کرنے، اس کے پیدا کردہ بگاڑ اور ذہنی کرب و اضطراب کو رفع کرنے، مسلم نوجوانوں اور جدید تعلیم یافتہ ذہین طبقے کو اسلام سے قریب کرنے، مذہبی عقائد کے سلسلے میں ان کے ذہنی شکوک و شبہات کو دور کرنے، اسلام کی صحیح اور مؤثر ترجمانی کرنے اور غیر مسلموں تک دعوت حق پہنچانے کے لئے مختلف اہم زبانوں میں وسیع پیمانے پر صالح اور معیاری لٹریچر تیار کرنا ہے، یہ مجلس تقریباً ۲۲ سال سے قائم ہے اور الحمدللہ کہ اس نے اس تھوڑے سے عرصہ میں مختلف اسلامی موضوعات پر عصری اسلوب میں بڑی اہم اور قیمتی کتابیں شائع کی ہیں، یہ کتابیں اردو، عربی، انگریزی اور ہندی چاروں زبانوں میں شائع ہوئی ہیں جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہے۔

اس تقریب کا افتتاح مجلس کے سرپرست حضرت مولانا علی میاں ندوی نے اپنی فاضلانہ تقریر سے کیا، آپ نے مجلس کے قیام کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت پوری دنیائے اسلام ایک ذہنی ارتداد سے دوچار ہے، عالم اسلام کا عصری تعلیم یافتہ طبقہ جس کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے اور جو حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز ہے وہ جدید تہذیب اور مغربی تعلیم و تربیت کے اثر سے دین سے برگشتہ ہے اور مذہب کے بنیادی عقائد، توحید و رسالت، جنت و دوزخ، قیامت، اور اخروی حساب و کتاب کے بارے میں اس کا ذہن متردد ہے، یہ ذہنی ارتداد اس درجہ خطرناک اور مہلک ہے کہ ملت کے رہنماؤں نے اگر اس طرف فوری توجہ نہ دی اور اس کے ازالے کی کوشش نہ کی تو پوری نئی نسل اس ارتداد کے سیلاب میں بہہ جائے گی اسی خطرے کے پیش نظر اور اسی فتنے کا سدباب کرنے کے لئے آج سے ۲۰ - ۲۲ سال قبل اس مجلس کی بنیاد رکھی گئی تھی، اللہ کا فضل ہے کہ اس مجلس نے اس مختصر سی مدت میں وسائل کی کمی کے باوجود مختلف اہم زبانوں میں بہت سی قیمتی کتابیں شائع کی ہیں جو ملک و بیرون ملک کے علمی و دینی حلقوں میں نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئیں، اور اہل علم نے ان کا شاندار استقبال کیا اور اس کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔

جوابی تقریر مندوب قطر جناب شیخ عبداللہ انصاری نے کی، آپ نے مجلس کی مخلصانہ جد و جہد اور گرانقدر تعمیری خدمات کو سراہا اور اس کے کارکنوں کو خراج تحسین و تہنیت پیش کیا، ساتھ ہی اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ ہم لوگوں نے اب تک اس خالص دینی کام میں مجلس کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا، آخر میں مصری قاری جناب طبلاوی نے چند آیات کی تلاوت کی اور مغرب کی اذان پر یہ تقریب ختم ہوئی۔

مغرب بعد صرف عربی سیمینار کی نشست ہوئی جس میں متعدد قیمتی مقالات پڑھے گئے اور حسب سابق بحث و مناقشہ ہوا۔ اجلاس کے اختتام سے آدھ گھنٹہ قبل سخت آندھی اور بارش آئی جس کی وجہ سے اجلاس میں قدرے انتشار ہوا، بجلی غائب ہو گئی، کچھ دیر تک پروگرام بند رہا۔ پھر العین یونیورسٹی ابوظبی متحدہ عرب امارات کے مندوب ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب نے بہت ہی مؤثر اور پرسوز انداز میں دعا کی۔ اللہ کے فضل سے آندھی تھمی، مختصر سے پروگرام کے بعد اجلاس ختم ہوا، اور اعلان کیا گیا کہ سیمینار کے تمام مہمانان و مندوبین کو مولانا آزاد اکیڈمی کی طرف سے عشائیہ دیا گیا ہے۔ کھانے کا نظم بالیکا ودیالیہ انٹر کالج میں ہے، جہاں عشاء کے بعد بذریعہ بس پہنچا جائے گا۔

مولانا آزاد اکیڈمی کی طرف سے عشائیہ

عشاء کے بعد تمام مندوبین بذریعہ بس مذکورہ کالج پہنچے۔ کھانے کے بعد مختصر علمی پروگرام ہوا جس کی صدارت مولانا علی میاں ندوی

مدظلہٗ نے فرمائی۔ آپ نے مولانا ابوالکلام آزاد کی عبقری شخصیت اور علمی کارناموں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی، پھر مولانا اجمل ایوب نے "نزہۃ الخواطر" میں مولانا آزاد کے سوانحی تذکرے کی تلخیص عرب مہمانوں کے سامنے پیش کی جو اختصار کے باوجود نہایت جامع تھی۔ پھر جناب ضیاء الرحمٰن انصاری وزیر آبپاشی برائے مرکزی حکومت نے مولانا آزاد کے متعلق اظہار خیال کیا۔ اور آزاد اکیڈمی کے اغراض و مقاصد اور مولانا آزادؒ کی یادگار میں قائم کئے جانے والے میموریل اسکول کے قیام اور ضرورت کی وضاحت کی۔ ان کی تقریر کا عربی میں ترجمانی مولانا اجمل ایوب اصلاحی نے کی۔ پھر عرب مہمانوں کی طرف سے شیخ عبداللہ انصاری مندوب قطر نے جوابی تقریر کی اور آزاد اکیڈمی اور مولانا آزاد کی یادگار میں قائم کئے جانے والے اسکول کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے ان اداروں کے کارکنوں کی خدمات کو سراہا۔ رات زیادہ ہو چکی تھی اس لئے مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ نے چند جملوں میں ان کی تقریر کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

دینی تعلیمی کونسل کی جانب سے استقبالیہ

۱۹ر اپریل روز اتوار کو صبح کے اجلاس کے بعد دینی کونسل اتر پردیش کی طرف سے مندوبین کو استقبالیہ دیا گیا۔ کھانے کا نظم ندوۃ العلماء کے وسیع ڈائننگ ہال ہی کے اندر تھا۔ پہلے عربی میں خطبۂ استقبالیہ پڑھا گیا جس میں کونسل کے قیام، اس کے اغراض و مقاصد اور نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں اس کی تعمیری خدمات پر روشنی ڈالی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ کونسل ۱۹۶۰ء سے حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ کی سرپرستی میں مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے آزاد اور خود کفیل دینی مکاتب قائم کرکے ابتدائی دینی تعلیم کا بندوبست کر رہی ہے۔ وہ ایسی نسل تیار کرنے میں کوشاں ہے جو اس ذہن و مزاج کی حامل ہو جو اسلام کو مطلوب ہے۔ کونسل کی زیر نگرانی یوپی کے ۴۵ ضلعوں میں دس ہزار سے زائد ابتدائی مکاتب چل رہے ہیں، جن میں تقریباً ۵ لاکھ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ کونسل نے خاص طور پر مسلمان بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے شعبۂ خواتین بھی قائم کر رکھا ہے۔ پھر اردو میں خطبۂ استقبالیہ جناب مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی سکریٹری کونسل نے پیش فرمایا۔ آخر میں تمام مندوبین کے درمیان کونسل کی طرف سے کچھ پمفلٹ اور کتابچے تقسیم کئے گئے۔

طلبا ندوۃ العلماء کی انجمن کی طرف سے جلسۂ استقبالیہ

اسی دن عصر بعد طلباء ندوۃ العلماء کی انجمن "جمعیۃ الاصلاح" اور "النادی العربی" کی طرف سے سیمینار کے مندوبین بالخصوص بیرونی ممالک کے نمائندوں کے اعزاز میں ایک استقبالیہ جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت جناب مولانا محمد ناظم ندوی مدظلہٗ مندوب پاکستان نے فرمائی۔ طلبہ نے عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ترانے، مقالے اور تقریریں کیں جو مواد اور زبان دونوں اعتبار سے عمدہ اور معیاری تھیں۔ انجمن کے ذمہ دار طلبہ نے انجمن کی کارکردگی اور اس کی زیر نگرانی مقالہ نگاری اور تقریر کی مشق اور طلبہ کی علمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ آخر میں صدر اجلاس حضرت مولانا محمد ناظم ندوی نے طلبہ کے پروگرام کو سراہا اور ندوہ میں اپنے دور طالب علمی اور زمانۂ تدریس کے بعض اہم واقعات اور انجمن کی زیر سرپرستی طلبہ کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا تذکرہ فرمایا۔ پھر آپ نے عرب مہمانوں کے سامنے علامہ اقبال کی پڑھی گئی مشہور نظم "تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا" کی عربی میں تشریح کی۔ مغرب کی اذان پر یہ جلسہ ختم ہوا۔

آخری اجلاس اور سیمینار کا اختتام

۱۹ر اپریل کو بعد نماز مغرب ساڑھے سات بجے سیمینار کا آخری اجلاس ہوا جس میں دو اہم مقالے پڑھے گئے پھر ڈاکٹر محمد فتحی عثمان (عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ بجامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ بالریاض) نے سیمینار کی منظور کردہ اہم تجاویز پڑھ کر سنائی جن پر غور و فکر اور ترتیب کا کام منتخب اہل علم پر مشتمل ایک خاص کمیٹی کر رہی تھی۔ مجموعی طور پر ستّر سے زاید مقالے پڑھے گئے۔ تقریباً پچاس عربی میں، بیس اردو میں، دو انگریزی میں اور ایک فارسی۔ یہ قیمتی مقالات اگر یکجا طور پر شائع کر دئے جائیں تو عربی ادب اور اسلامی ادب پر ایک گرانقدر دستاویز اور تاریخی یادگار ہو جائے۔ بالآخر یہ مبارک سیمینار عظیم الشان کامیابی کے ساتھ داعیٔ سیمینار ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا ندوی مدظلہٗ کی پراثر اور درد انگیز اجتماعی کلمات اور دعا پر ختم ہوا۔ یہ عالمی ادبی سیمینار نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی تاریخ میں دینی تعلیم اور اسلامی ادب کے میدان میں ایک سنگ میل اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی بنیاد تمام کارکنان ندوہ اور بالخصوص حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ، تمام دینی و اسلامی حلقوں کی طرف سے مبارکباد اور شکریہ کے مستحق ہیں۔ خدا اس سیمینار کی اہم اور تعمیری قرار دادوں کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ ص ۲۴

کے لئے کپڑا، نہانے اور کپڑا صاف کرنے کا صابن، عورتوں کے لئے ساڑی، بچوں کے لئے ریڈی میڈ کپڑے وغیرہ۔ بچوں کے لئے دودھ اور بسکٹ کی بھی ضرورت ہے۔

دوسرے مرحلے میں دوکانوں اور مکانوں کی مرمت دوبارہ آبادکاری اور ذریعہ معاش کی بحالی کے کاموں کو انجام دینا ہوگا۔ اس کے لئے پہلے نقصانات کا تفصیلی سروے کرنا ہوگا۔ جمشید پور کی طرح اگر مختلف ادارے مختلف علاقوں کی ذمہ داری لے لیں تو کام جلد اور زیادہ بہتر طور پر ہو سکیگا۔ نقصانات بے اندازہ اور کافی پھیلے ہوئے علاقے میں ہوئے ہیں۔

حالات کو معمول پر لانے اور لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں نے افواہیں پھیلانے اور بلوائیوں کو منظم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ان شرپسندوں کو فوراً حراست میں لے لیا جائے ورنہ یہ کشیدگی کو برقرار رکھنے اور امداد و آبادکاری کے کاموں میں رخنہ ڈالنے کی سازشوں سے باز نہیں آئیں گے۔

مرکزی وزیر داخلہ نے بہار شریف کے فساد کی عدالتی تحقیقات کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے چند سینیئر افسروں کا اس میں ہاتھ ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا ہے۔ اس کی جانچ سرکار اپنے طور پر کرائے گی۔ لیکن جو ضلع حکام نااہلیت اور نکمے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلوائیوں کے آگے سرنگوں ہو گئے ان کو فوراً معطل کرکے اختیارات چھین لینے چاہیں۔ ان سے بلوائیوں اور شرارت پسندوں کے حوصلے پست ہوں گے اور مظلوموں میں اعتماد پیدا ہوگا۔

بہار شریف اور اطراف کے فساد سے متاثر علاقوں میں گذشتہ کئی برسوں سے کشیدگی اور تصادم کا خاص سبب قبرستانوں کی زمین ہڑپنے کا مسئلہ رہا ہے۔ یہاں کاشت کے لائق زمین کی قیمت ۲۵ ہزار سے ۴۰ ہزار روپے کٹھا تک ہے زمین بہت زرخیز ہے۔ لال مرچ، پیاز، اور آلو کی نقد فصل پیدا ہوتی ہے، ان چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ زمین کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس کی وجہ سے قبرستان کی زمینوں پر غیر مسلموں کا ناجائز دعویٰ اور عدالتی فیصلوں سے انحراف کرتے ہوئے لاٹھی ڈنڈے کے زور سے اپنے دعویٰ کو منوانے کی کوشش اور مسلمانوں کی جانب سے مزاحمت کے نتیجے میں مسلسل کشیدگی برقرار رہتی ہے۔ علاقے میں مستقل فرقہ وارانہ امن کی بحالی کے لئے ہمارا مطالبہ ہے کہ قبرستان کے سبھی تنازعات کا ایک مقررہ مدت کے اندر فیصلہ کرکے ان کی چہار دیواری کرادی جائے۔ تاکہ ان پر قبضہ کرنے کی کوشش فرقہ وارانہ کشیدگی کا سبب نہ بن سکیں۔!!

گناہوں کی ندامت سے جو دو آنسو ٹپکتے ہیں

(شمس الحق ندوی)

زندگی کی وہ ساعت بڑی مبارک تھی جب اس نے عمر عزیز کے بیتے ہوئے دنوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اپنے سیاہ نامۂ اعمال پر غور کرنا شروع کیا تو روشنی کی کوئی کرن نہ نظر آئی، امید کی کوئی ایسی بھی چنگاری تو نہ دکھائی دی جو بیابان کی شب تاریک میں کرمک شب تاب کا بھی درجہ رکھتی ہو اب وہ ساعت آچکی تھی کہ وہ آج کے بعد کل اور اس فانی زندگی کے بعد باقی رہنے والی زندگی کے بارے میں غور کرے پر یوں ہی ہوا وہ یاس و ناامیدی کے ایک بحر بے کراں میں غوطے کھانے لگا دل کی تڑپ اور بے چینی بڑھی اور کھویا کھویا سا کسی ایسے راہبر کی تلاش میں چلا جو راہ نجات کا پتہ دے، دل کی بیتابی بڑھی اور بڑھتی ہی گئی، وہ اسی حال میں بے سوچے سمجھے ایک سمت غیر متعین کی طرف چل رہا تھا کہ ایک غیر جانی پہچانی صورت نظر آئی بے اختیار زبان کھل گئی، کہا کیا میری توبہ کی بھی کوئی گنجائش ہے، کوئی ہے ایسا جو میری دستگیری کرے اور ڈوبتی کشتی کو ساحل سے ہمکنار کرے مخاطب نے جواب دیا ہاں فلاں گاؤں میں ایک خدا ترس اور بزرگ شخص رہتے ہیں تم ان سے ملو بہت ممکن ہے کہ وہ تمہارے درد کا درماں ثابت ہوں، یہی ایک دو باتیں ہوئی تھیں کہ وہ اس گاؤں کے رخ پر قدم بڑھانے لگا جدھر امید کی ایک دھندلی سی کرن دکھائی دی تھی، سرخ سرخ آنکھیں بھیانک سی صورت جسے دیکھ کر آدمی ڈر جائے اور اس کے حالات زندگی سے واقف نہ جانے کتنوں کے تو اوسان خطا کر جاتے ہوں گے جب وہ اسے دیکھتے ہوں گے۔

یہ ان درویش صفت بزرگ کے پاس پہونچا جن سے کچھ امیدیں باندھ کر چلا تھا جھجکتا جھینپتا لرزاں و ترساں ان سے اپنی داستان حیات سنانے کے بعد پوچھا کہ کیا اس کے بعد بھی میری نجات و مغفرت کی کوئی صورت ہے؟ اعمالنامہ کی اتنی سیاہی کے بعد بھی رحمت خداوندی اس کی طرف متوجہ ہو سکتی ہے کہ نہیں۔؟ درویش کم مایہ نے جرم کی سنگینی دیکھ کر جواب دیا کہ تمہاری نجات و بخشش کی کوئی صورت نہیں جب یہاں سے بھی مایوس ہوا تو سوچا کہ جب یہ نہیں تو ۹۹ مقتولوں میں ایک کا اضافہ کرکے سو پورے ہی کر دوں بس اس خیال کا آنا تھا کہ چشم زدن میں ان بزرگ کا بھی کام تمام کر دیا اور چلتا بنا مگر اس کا ضمیر چونکہ اب بیدار ہو چکا تھا اس لئے فکر تھی کہ کوئی سہارا ملے، قسمت نے یاوری کی چلتے چلتے پھر کسی انجانے سے مڈبھیڑ ہو گئی اور اس سے بھی اپنا مقصود کہہ گذرا اس بھلے مانس نے ایک مبارک اور خدا ترسوں کی بستی کا پتہ دیتے ہوئے بتایا کہ وہاں ایک بزرگ رہتے ہیں تم ان سے ملو اور کچھ دن اسی بستی میں گذارو، اس اجنبی کی بات نے ایک بار پھر اس کے اندر امید کی ایک لہر دوڑا دی اور یہ اس قریۂ صالحہ کی طرف چل پڑا مگر کاتب تقدیر کا ازلی فیصلہ کچھ اور ہی ہو چکا تھا۔

بستی تک پہونچنا تو درکنار ابھی آدھی مسافت بھی طے نہ ہوئی تھی کہ شمع حیات جھلملانے لگی تا آخر بس اس میں ہو رہی تھی کہ صلحاء امت اور نیکوکار لوگوں کی روح نکالنے والے اور اشرار امت و بدکردار لوگوں کی روح قبض کرنے والے دونوں فرشتوں میں بحث شروع ہو گئی تھی نیک روحوں کو قبض کرنے والا فرشتہ مصر تھا کہ میں روح نکالوں گا اس لئے کہ اس کی مخلصانہ نیت و ارادے اور توبہ کے جذبے نے ماضی کی سیاہیوں کو دھو دیا، اور بد روحوں کے قبض کرنے والے فرشتے کی ضد تھی کہ نہیں اس کے اعمال اس قابل ہیں کہ میں اس کی روح قبض کروں جب بات بڑھی تو ایک تیسرے فرشتے نے حکم کا فرض انجام دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ جدھر سے آ رہا ہے اور جس نیک بستی کی طرف جا رہا ہے دونوں کی مسافت ناپ لی جائے اگر اس بستی سے قریب ہے جہاں کے ارادے سے نکلا ہے تو سعید روحوں کو قبض کرنے والا فرشتہ اس کی روح کو قبض کرے اور اگر اس کے برخلاف ہے تو بد روحوں کو قبض کرنے والا فرشتہ اس کی روح قبض کرے۔ کہتے ہیں کہ جب مسافت ناپی گئی تو نیکوں کی بستی سے صرف ایک بالشت قریب تھا، یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ یہ قریب تو در اصل اسی بستی سے تھا جدھر سے چلا تھا مگر اس کے جذبۂ ندامت و احساس کی بیداری پر رحمت خداوندی کو جوش آیا اور خدائی فرمان کے مطابق کہ "جب میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں، وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دس بالشت قریب ہوتا ہوں" زمین کو حکم ہوا کہ سمٹ جائے اور یہ قریۂ صالحہ سے قریب ہو جائے چنانچہ اس کی روح فرشتۂ رحمت نے قبض کی اور گو وہ ابھی توبہ نہ کر سکا تھا مگر اس اصول پر کہ "اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے" یہ خالص نیت کے ساتھ توبہ کے لئے نکلا تھا اس لئے رحمت خداوندی نے بڑھ کر اسکو اپنے سایہ میں لے لیا۔ اور کیوں نہ ہو خدا کی وہ ذات پاک جو ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر شفیق و مہربان ہے۔ اس کا یہ اعلان ہے کہ،

"یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسکم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"

(اے میرے وہ بندو! جن سے بھول چوک اور خطائیں ہو گئی ہیں تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو)۔

"اجیب دعوۃ الداع اذا دعان"

(میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)۔

یہ واقعہ جو ایک خاص انداز میں بیان کیا گیا کوئی افسانہ اور خود ساختہ کہانی نہیں ہے بلکہ حدیث پاک میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ خود اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس واقعہ کو صحابۂ کرام رضؓ کو سنایا۔

گوشت پوست کا بنا ہوا یہ انسان بھول چوک تو اس سے ہوتی ہی ہے مگر جب وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا، روتا اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو رحمت الٰہی پوری طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ان کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی کہیں زیادہ خوش ہوتا ہوں جتنا کہ کوئی بندہ انتہائی مایوسی کے عالم میں جب کہ وہ صحرا میں بھوکا پیاسا، سایہ لے رہا ہو بھوک و پیاس سے بیتاب ہو اسی میں اسکی سواری بھی بھاگ جائے تو کیا کچھ نہ گذرے گی، وہ زندگی سے مایوس بیٹھا بیٹھا سو جائے پھر آنکھ کھلے تو سواری کو سامنے پاکر اس کو بے پناہ مسرت ہوگی اللہ تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے

اور وہ اپنے بندوں سے راضی ہوتا ہے ۔ تلاطم ڈال دیتے ہیں خدا کے بحر رحمت میں گناہوں کی ندامت سے جو دو آنسو ٹپکتے ہیں

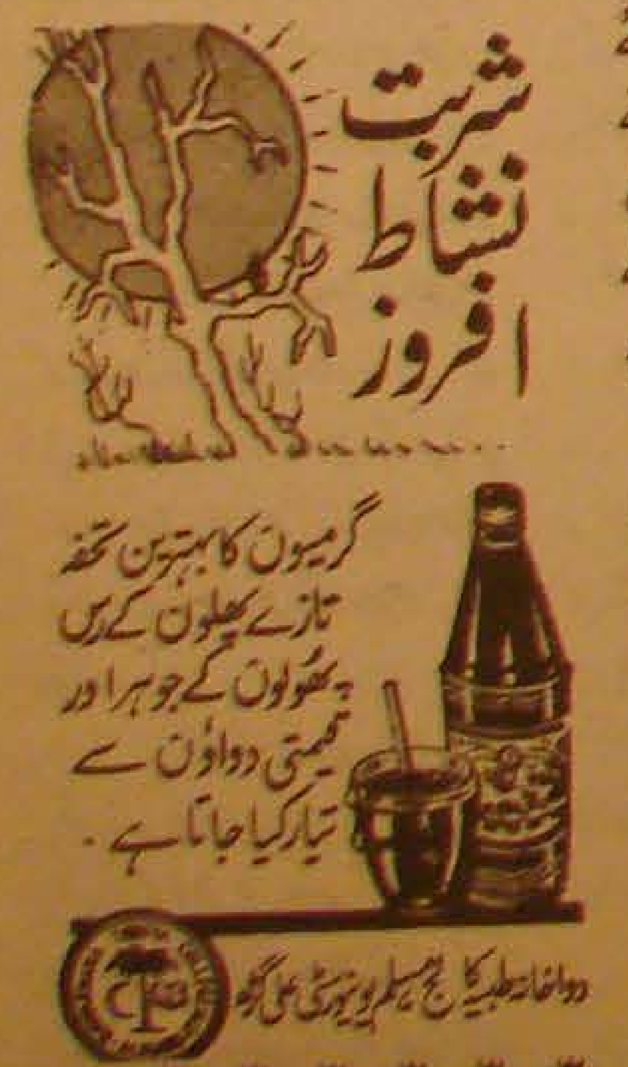

نماز کی لذت

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا

نماز اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ اس مادی اور گندی دنیا میں سکون قلب کا ذریعہ ہے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ" یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آنحضرت ؐ نے کتنے دلکش انداز سے نماز کے اندر پوشیدہ رحمتوں، برکتوں اور سکون قلب کو ایک چھوٹے سے جملہ میں ظاہر فرمادیا۔ نماز مادی کثافتوں اور دنیاوی مکروہات سے ہم کو دور کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہمارے رشتہ کو مضبوط کرتی ہے۔ بندہ اپنے رب سے مل جاتا ہے اور اس طرح اس کو موقع ملتا ہے کہ اس مشکلات اور مسائل سے بھری اور گھری ہوئی دنیا میں رہ کر بھی تھوڑی دیر کے لئے ایک ایسے ماحول میں پہنچ جائے جو زوال سے پرے ہو اور جہاں آخرت کا خیال اپنے خالق سے ملنے کا تصور پیدا ہو سکے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں بندہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ کتنی دلکش اور صحیح تصویر آنحضرت ؐ نے کھینچی ہے کہ بندہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ سرگوشی میں آدمی اپنی بہت سی ایسی باتیں بھی کہہ سکتا ہے جو بر سرعام کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اسی بنا پر دینی اور دنیاوی مشکلات بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ پیش کرتا ہے۔ سرگوشی میں وہ اپنے رب سے قریب ہو جاتا ہے۔ دراصل سرگوشی اسی سے ہو سکتی ہے جس سے تعلق قریبی ہو اور اللہ تو بندہ سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

نماز کی لذت تو وہی جانتا ہے جو حسن توجہ سے اس فرض کو ادا کرتا ہے صحابۂ کرام ؓ کو تو اتنی محویت ہوتی تھی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے، نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ جیسے وہ اس دنیا کے مسائل سے بے تعلق ہو گئے ہیں۔ طویل سجدہ کرتے اور سجدوں میں عبادت کا لطف حاصل کرتے۔

ہماری نمازوں میں وہ لذت نہیں کہ ہمارے دل پوری طرح متوجہ نہیں یعنی ہم کو حضور قلب کی دولت حاصل نہیں۔

استاذ گرامی مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ؒ فرماتے کہ "ہم کیا نماز پڑھتے ہیں بس کسی طرح بالکل حساب لگا کر گن گن کر فرائض ادا کردیتے ہیں وہ بھی وقت بے وقت' جیسے حدیث میں منافق کی نماز کے بارے میں فرمایا گیا کہ عصر کا وقت جب آخر ہوتا ہے تو آکر جلدی جلدی مرغ کی طرح ٹونگیں مار دیتا ہے۔ عجلت میں کھٹا کھٹ رکوع و سجود کی بڑی عمدہ مثال آنحضرت ؐ نے مرغ کے ٹونگ مارنے سے دی ہے بڑی حقیقی تشبیہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی نماز میں لذت کہاں ہے یہ تو بار برداری ہے بلکہ اعتدال نہ ہونے اور ارکان کو صحیح طور پر ادا نہ کرنے کے باعث ایسی نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔ آنحضرت ؐ کے زمانہ میں ایک صاحب تشریف لائے اور جلد جلد نماز ختم کردی۔ آپ نے فرمایا: "صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" (نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی)۔ نماز میں اعتدال اور اطمینان کی ضرورت ہے اسی بنا پر بول و براز سے فراغت کی تاکید کی گئی حتیٰ کہ اگر بھوک لگی ہو تو پہلے رات کا کھانا تناول کرلے پھر نماز عشاء ادا کرے۔

یہ یاد رہے کہ نماز آسان کام نہیں ہے، پانچ وقت کی پابندی سے نماز پڑھنا بڑا مشکل کام ہے صرف خدا ترس لوگ ہی پابندی کر سکتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ" (نماز بڑی بھاری شئی ہے سوائے ڈرنے والوں کے)۔ نماز کے اوقات عصر، مغرب اور عشا قریب قریب ہیں تفریح کے اوقات اور تجارت کے اصل اوقات بھی ہیں، ان میں یاد خدا خوف خدا کی دلیل ہے۔

نماز نیاز مندی ہے دل کا خلوص ہے اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں اطاعت و محبت کی یقین دہانی ہے۔ مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ؒ نے فرمایا کہ ہم سے جو کچھ ہو سکتا ہے اپنے مقدور بھر اس کو ادا کردیں۔ کمی و بیشی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیگا۔ دراصل نماز کی لذت بقدر محنت ہے۔ سنا ہے کہ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ حضرت جنت میں نماز نہ ہوگی، انھوں نے فرمایا کہ پھر نماز کے بغیر زندگی میں لطف کیا رہ جائے گا۔ واقعی جن کی زندگی کا جزو نماز بن چکی ہے وہ لطف حیات بغیر نماز کے محسوس نہیں کرسکتے۔ نماز کے بغیر نیند نہیں آتی اگر آگئی تو پھر بیداری ضروری ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی تشنگی ہے کمی ہے جو نیند سے ہشیار کردیتی ہے۔

نماز کے شرائط پر غور فرمایئے۔ طہارت اور پاکی جس کو نصف ایمان قرار دیا گیا پھر وضو۔ اس کے علاوہ کیفیت نماز پر غور کیجئے رکوع اور سجدہ نیاز مندی اور خشوع وخضوع کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ اسی بنا پر آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ سجدہ میں بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

پھر حدیثوں میں آتا ہے کہ سحر کے وقت اٹھ کر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، قرب اور محبت نصیب ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اس وقت کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔

دعائیں بظاہر دنیاوی لالچ کی طرف اشارہ کرتی ہیں لیکن اگر دنیا کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے استعمال کیا جائے تو خالص دینی کام بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے حصول کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مثلاً بال بچوں کی پرورش ہے یا روزی کمانا ہے یہ سب دنیاوی کام ہیں مگر رزق حلال اور آل و اولاد کی پرورش اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرض کے طور پر کی جائے اور خوش اسلوبی سے فرائض کی انجام دہی کی دعائیں مانگی جائیں تو یہ دینی کام ہے حتیٰ کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ تمہارے جسم کا تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ حقوق کی ادائیگی شریعت کی نظر میں دینداری ہے۔ پس دعائیں جن کو "مخ العبادة" عبادت کا رس اور گودا قرار دیا گیا ہے وہ بھی عبادت ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی خواہش خلاف شریعت نہ ہو۔ طویل دعائیں اور طویل سجدے نماز کی لذت کو بڑھاتے ہیں اور دل کو لگاتے ہیں۔

نماز کی لذت مسجد سے محبت کا باعث ہے۔ آنحضرت ؐ مشکلات میں نماز پڑھنے لگتے۔ واقعی مصیبت میں نماز سکون وطمانیت پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واستعينوا بالصبر والصلوٰة" صبر اور نماز (دعا) کے ذریعہ مدد طلب کرو۔ اسی بنا پر آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص پر قیامت کے دن عرش کا سایہ کرے گا، جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا رہے۔ "قلبه معلق بالمساجد" ظاہر ہے کہ یہ کیفیت حضور قلب اور کثرت نماز و نوافل سے پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارا حال بقول اقبال ؒ یہ ہے کہ ؎

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

نماز کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ اس کو اسلام اور کفر کے درمیان فرق سے تعبیر کیا ہے۔ نماز زندگی کا نور اور دلوں کا سرور ہے۔ مساجد میں نماز با جماعت مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مصور کرتی ہے۔ آنحضرت ؐ نے آخری بیماری میں حضرت عائشہ ؓ کے حجرہ سے پردہ اٹھایا صحابۂ کرام نماز ادا کررہے تھے۔ آپ نے دیکھا اور خوش ہوئے کہ بندے اپنے مولیٰ کے حضور میں حاضر ہیں۔ صحابہ نے سمجھا کہ شاید آپ مسجد آئیں مگر آپ نے پھر پردہ ڈالا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو موتی کی لڑیاں بن کر نکلتے۔ ابن الدغنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب کفار نے حضرت ابوبکر ؓ کو بہت پریشان کیا اور وہ مکہ چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے تو ابن الدغنہ ان کو پکڑ کر دوبارہ لایا اور ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ انھوں نے اپنے گھر میں مسجد بنالی اور اس میں خوب دل لگا کر خشوع و خضوع سے طویل نمازیں پڑھتے تلاوت

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

بہار شریف اور نواحی گاؤں میں اقلیتی فرقہ کا زبردست جانی ومالی نقصان

سمیع الحق، انچارج شعبہ نشر واشاعت، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ۔ پھلواری شریف۔ پٹنہ

پھلواری شریف، ہمئی ——— ناظم امارت شرعیہ مولانا سید نظام الدین صاحب اور نائب ناظم مولانا احمد حسین صاحب بہار شریف کے دورہ کے بعد شہر اور مضافات کے گاؤں میں بڑے پیمانہ پر یکطرفہ قتل وغارت گری اور تباہی و بربادی اور اقلیتی فرقہ کے جان و مال کے تحفظ میں مقامی انتظامیہ کی مجرمانہ غفلت اور لاپروائی کے بارے میں حسب ذیل رپورٹ اخباروں کو دی ہے۔

جمعرات ۳۰؍ اپریل کو شہری زندگی بالکل معمول کے مطابق تھی، بازار اور دفاتر کھلے ہوئے تھے، بازار اور کاروباری مرکز میں لوگ روزمرہ کی طرح خرید وفروخت میں مشغول تھے، اور شہر میں فرقہ وارانہ کشیدگی جیسی کوئی چیز بالکل نہیں تھی، لوگوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بڑے پیمانہ پر فساد ہونے والا ہے، ویسے بہار شریف ہندوستان کے ان اضلاع میں ہے جو فرقہ وارانہ اور پر حساس علاقوں میں شمار ہوتا ہے اور جہاں برابر تناؤ برقرار رہتا ہے۔ لیکن کم از کم اس دن فضا بالکل نارمل تھی۔ اچانک چار بجے شام کے لگ بھگ گنگن دیوان محلہ میں جو شہر کے جنوب مغرب میں پٹنہ رانچی روڈ پر واقع ہے، تاڑی پینے والوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اس طرح کے جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے ہیں، تاہم فسادیوں نے اپنے منصوبوں کو عملی شکل دینے کے لئے اسی واقعہ کو بہانہ بنالیا، ویسے لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ اصل واقعہ یہ نہیں بلکہ قبرستان کی زمین کا تنازعہ ہے۔ اس جگہ سے قریب ہی ایک بڑا قبرستان ہے، جس پر اکثریتی فرقہ کے لوگ ناجائز طور پر قبضہ کے لئے کوشاں ہیں، دو ماہ قبل اسے لے کر معمولی جھگڑا بھی ہو گیا تھا، اس تنازعہ میں عدالت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا ہے۔ ۲۳؍ اپریل کو مسلمانوں نے اس سلسلے میں ڈی۔ ایم سے ملاقات کی تھی اور انہوں نے یقین دلایا تھا کہ دو تین دنوں میں زمین کی پیمائش کرکے قبرستان کی زمین مسلمانوں کے حوالے کردی جائے گی، زمین ہڑپ کرنے میں ناکامی کی وجہ سے کچھ لوگ مسلمانوں کو سبق سکھانے کے درپے تھے اور انھوں نے جمشید پور اور مراد آباد کی طرح بہار شریف اور اطراف کے مسلمانوں پر بھرپور ضرب لگانے اور انھیں جڑ سے اکھاڑ پھینک دینے کا منصوبہ بنالیا تھا جسے مقامی انتظامیہ کے کچھ بڑے افسروں کی تائید بھی حاصل تھی۔

اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ بلوائیوں کی اکثریت نے باہر سے آکر حملہ کیا، اور رائفلوں بموں اور دوسرے آتشیں اسلحوں سے پوری طرح مسلح تھے، بیشتر بستیوں کے بارے میں بتایا گیا کہ مقامی غیر مسلموں نے لوٹ مار اور قتل وغارت گری میں بلوائیوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا، بلکہ بعض جگہوں میں تو انھوں نے اقلیتی فرقہ کے لوگوں کے ساتھ مل کر بلوائیوں کا مقابلہ کیا۔

اب تک فرقہ وارانہ دنگوں میں مسلمانوں کی منظم بستیوں کو نشانہ بنایا نہیں جاتا تھا لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ جب اتنے بڑے پیمانے پر دیہی آبادی کو نشانہ بنایا گیا، شاید اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اجاڑ کر ان کی بے حد قیمتی زرعی املاک پر قبضہ کرلیا جائے۔

بہرحال گنگن دیوان محلہ میں تاڑی پینے والوں کے درمیان جھگڑے کے بعد چورا بانچہ، پرانے بس اسٹینڈ، رام چندر پور اور جہان آباد روڈ پر پرول پور میں اکا دکا مسلمانوں پر حملے اور مکانوں اور دکانوں میں آگ لگانے کے واقعات شروع ہو گئے، گنگن دیوان محلہ میں سلیم میاں کے کھلیان میں آگ لگادی گئی اور ان کے نوکر نور حسن کو شہید کردیا گیا اور ان کے بیٹے کو مار کر نیم جاں کردیا گیا جو اسپتال میں پڑا ہوا ہے، طاہر رکشہ والے کو ہلاک کردیا گیا، کہنہ سرائے کے ٹمٹم والے سلیم عرف عیدو اور عبدالمجید راج مستری کو جو دیہات سے کام کر کے لوٹ رہا تھا بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اس کے علاوہ گنگن دیوان محلہ میں کئی مکانوں کو آگ لگادی گئی۔ اور جب مکینوں نے جان بچانے کے لئے بھاگنے کی کوشش کی تو ان پر حملہ کرکے زخمی کردیا گیا۔ کرہ محلہ کے ننھو کو رات میں جب کہ وہ اپنے گھر میں سویا ہوا تھا بلوائیوں نے گھر میں گھس کر پیٹ چاک کردیا اور وہ اسپتال میں جاکر مرگیا، اسی شب میں ڈاکخانہ روڈ پر روئی کی ایک دکان میں آگ لگادی گئی اور پھل کی متعدد دکانوں کو لوٹ کر تباہ کردیا گیا، ایک بڑی دکان کو بھی آگ لگادی گئی، حکام کی طرف سے آگ بجھانے کا کوئی نظم نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ ۲ مئی کو بھی ہم نے اس گودام سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا۔

۳۰؍ اپریل کو شام سے ہی پٹنہ رانچی بائی پاس سے گذرنے والی بسوں اور ٹرکوں کو روک کر ان پر حملے شروع کردئے گئے رانچی، جمشید پور، ہزاری باغ وغیرہ شہروں کو پٹنہ سے جوڑنے والی یہ واحد شاہراہ بہار شریف سے ہو کر گذرتی ہے، اس پر بسوں ٹرکوں اور دوسری سواریوں کی کثرت سے آمد ورفت رہتی ہے، بلوائی سواریوں کو روک کر مسافروں کے کپڑے اترواتے اور شناخت ہونے کے بعد انھیں موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ پٹنہ کے جگت نندن سہائے کا بیٹا بھی بلوائیوں کے ہاتھوں مارا گیا، چونکہ وہ داڑھی رکھے ہوئے تھا اس لئے دھوکہ میں اس کی جان لے لی گئی جیسا کہ وجے کمار یادو ایم۔ پی نے وزیر اعظم کو بتایا۔ یہ سلسلہ ۲؍ مئی تک چلتا رہا مقامی حکام سے لے کر چیف سکریٹری تک سے انہوں نے درخواست کی کہ اس طرح کی وارداتوں کو روکنے کے لئے بائی پاس روڈ پر فورس کا پہرہ لگایا جائے، لیکن جب ۳؍ مئی کو میں وہاں گیا تو پہرہ نہیں لگایا گیا تھا مجھے وہاں ایک دس بارہ سال کا بچہ زخموں سے چور پڑا ہوا ملا، اسے لے جاکر میں نے اسپتال میں بھرتی کرایا۔

دوسرے دن حکام نے شہر میں کرفیو نافذ کردیا، یہ کرفیو یکطرفہ تھا، بلوائیوں کو پوری چھوٹ ملی ہوئی تھی اور وہ جگہ جگہ حملہ کرنے میں مصروف رہے، عین جمعہ کی نماز کے وقت جب کہ مسلمان محلہ کی مسجدوں میں نماز ادا کررہے تھے، بلوائیوں نے مختلف اطراف سے زبردست حملے کئے، مسلمانوں نے کسی طرح فرض کی ادائیگی کے بعد مدافعت کی، اسی دن شہر کی نواحی بستیوں میں جہاں کرفیو نہیں تھا اور اقلیتی فرقہ کے لوگ کم تعداد میں تھے بلوائیوں نے حملہ کرکے لوگوں کو ہلاک و زخمی اور مکانوں کو لوٹنا اور آگ لگانا شروع کردیا۔

جمالی چک، مگھڑا، علی نگر، ماڑی اور دیگر چھوٹی چھوٹی بستیوں پر زبردست حملے ہوئے جمالی چک میں ایک مسجد کو نقصان پہونچایا گیا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ جمالی چک میں مقامی غیر مسلموں نے حملہ آوروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا، جس کی وجہ سے بڑے پیمانے پر جانی نقصان نہیں ہو سکا، پھر بھی آٹھ افراد شدید طور پر زخمی ہوئے۔ بستی کے باقی لوگ کسی طرح بچاکر کیمپ لائے گئے۔

محلہ علی نگر جو شہر کے نواح میں اور غالباً میونسپل حدود کے اندر ہے آر۔ ایس۔ ایس کا اہم گڑھ ہے، یہاں سترہ افراد قتل کئے گئے جن میں کئی بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں، ہمیں بتایا گیا کہ محلہ کے ایک ممتاز راجپوت جن کا نام باسدیو سنگھ ہے انھوں نے بڑی جاں بازی کے ساتھ مسلمانوں کا ساتھ دیا یہاں تک کہ خود بھی شدید طور پر زخمی ہو گئے اور شاید بلوائیوں نے ان کا ہاتھ توڑ دیا۔

ہرنوت بازار میں ۱۴؍ افراد قتل کئے گئے اور بھی دکانوں اور مکانوں کو جلادیا گیا۔ ہمیں ہر جگہ کے بارے میں بتایا گیا کہ پولیس اطلاع دینے پر بھی بہت تاخیر سے پہونچی اور جہاں وہ موجود تھی وہاں بھی اس نے بلوائیوں کو روکنے یا اقلیت کے لوگوں کی حفاظت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بیشتر جگہوں میں اس نے

تماشائی کا رول ادا کرتے ہوئے بلوائیوں کو اپنے حوصلے پورے کرنے کا موقع دیا، اس کے برعکس بعض جگہوں کے بارے میں بتایا گیا کہ بستی کے اکثریتی طبقے کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اقلیتی فرقہ کے اپنے ہمسایوں کو نقصان پہونچانے سے احتراز کیا بلکہ جب باہر سے بلوائی حملہ آور ہوئے تو ان کا مقابلہ کرنے میں انھوں نے اپنے مسلمان ہمسایوں کا ساتھ دیا۔

گلنی گاؤں کو جب بلوائیوں کے ایک بڑے ہجوم نے گھیر لیا تو مقامی ہندوؤں اور مسلمانوں نے ۱۲ گھنٹے تک ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اس درمیان میں تیرہ افراد شہید ہوئے اور سو کے لگ بھگ زخمی ہوئے۔ اس کے بعد ہی پولیس وہاں پہونچی۔ گاؤں کے دس افراد لاپتہ تھے۔ ان کا بعد میں سراغ ملا، ان میں آٹھ شدید طور پر زخمی تھے۔

ہرنوت بازار میں بی۔ ڈی۔ او اور انچل ادھیکاری کے ماتحت پولیس ڈیوٹی پر تعینات تھی۔ دس بجے دن سے ایک بجے تک وہاں قتل و غارت گری اور آتشزنی کا خونی ڈرامہ پولیس کی موجودگی میں چلتا رہا۔ لیکن پولیس خاموش تماشائی بنی رہی۔

۲ رمئی کو حالت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی جب کہ حکام یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ صورت حال پوری طرح ان کے قابو میں ہے۔ رائفلوں، بندوقوں اور طاقتور بموں سے لیس بلوائی مختلف گاؤں جیسے گوبریا، محی الدین پور، گھگھرا، رسل پور، ماڑی، جہاندپور، بکرا، چرسوا، اندھنا، جمنا پور، سلمان چک گاؤں پر لگاتار حملے کرتے رہے۔ خاص طور پر شب میں ان کی سرگرمیاں اور تیز ہوگئیں، لیکن پولیس اور مقامی انتظامیہ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ سماجی کارکنوں اور ذمہ دار لوگوں نے حکام سے مل کر ان چھوٹی چھوٹی بستیوں کی نشاندہی کی جہاں دس پانچ گھر مسلمانوں کے تھے اور کہا کہ ان کو گارڈ اور سکیوریٹی دی جائے تاکہ ایسے لوگوں کو گھروں سے نکال کر محفوظ مقامات پر پناہ دی جاسکے، لیکن بار بار اصرار کرنے پر بھی ذمہ دار حکام نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ روپس پور گاؤں پر بلوائیوں نے یلغار کرکے اس کا پوری طرح صفایا کر دیا۔ صرف ۳۵ آدمی بچ سکے، اور ۱۳ لاشیں وہاں سے لائی گئیں۔ سبھی گھروں کو لوٹنے کے بعد نذر آتش کر دیا گیا۔

۲ رمئی کا دن اور زیادہ خونریز اور ہولناک تھا۔ پولیس کی بے عملی اور ضلع حکام کے نکمے پن کی وجہ سے بلوائیوں کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ اس احساس پر کہ وہ کچھ بھی کرگزریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے ان کو اور زیادہ خونخوار بنا دیا اور ان کے حملوں میں زیادہ شدت پیدا کر دی۔

ضلع انتظامیہ حالات پر قابو پانے کے بجائے اس بات سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا کہ باہر کے لوگوں کو صحیح حالات کا علم نہ ہونے پائے۔ لہذا سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو یہاں تک کہ وزرا کو بھی متاثرہ علاقے میں دورہ کرنے اور حالات کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کے لئے وہ سیکوریٹی کا انتظام کرنے سے معذوری ظاہر کر رہے تھے۔ شہر میں بھی جو ذمہ دار اور ممتاز عوامی نمائندے محصور لوگوں کی امداد اور افواہوں کی تردید کے لئے کچھ کرنا چاہتے تھے۔ ان کو حکام نے پرمٹ پاس جاری کرنے سے انکار کر دیا، جب کہ کئی ایسے لوگوں کو پاس ملے ہوئے تھے جن کی ہمدردیاں بلوائیوں کے ساتھ تھیں۔

۴ رمئی کو وزیر اعظم مسز گاندھی کے دورے کے بعد بھی شام میں گوبریا گاؤں میں پانچ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا وہاں سے پانچ لاشیں برآمد کرنے کے علاوہ دو زخمیوں کو لاکر اسپتال میں بھرتی کیا گیا ایک اور افسوسناک واقعہ جو ہمارے علم میں لایا گیا وہ یہ کہ رام چندر پور میں جب بلوائیوں نے حملہ کیا تو کچھ مسلمانوں نے ڈاکٹر اویش کے کلینک میں جانیں بچانے کے لئے پناہ لی مگر کلینک والوں نے ان کی جان بچانے کے بجائے ان کو بلوائیوں کے حوالہ کر دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ وہیں موت کے گھاٹ اتار دئے گئے اور چار بری طرح زخمی ہوگئے۔ امیری محلہ کے شمیم پینٹر نے جو ان چار زخمیوں میں سے ایک تھا اس واقعہ کی تفصیل بتائی۔

قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کا سلسلہ جس طرح بے روک ٹوک جاری تھا اسے دیکھتے ہوئے شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بلوائیوں نے ۱۹۴۶ء میں اجڑ کر دوبارہ آباد ہونے والے مسلمانوں کا گرد و نواح کے گاؤں سے پوری طرح صفایا کر دینے کا منصوبہ بنا رکھا تھا جسے ضلع کے ذمہ داروں کی خاموش تائید حاصل تھی۔ شاید مرکزی انٹلی جنس کے ذریعہ اس صورت حال کی اطلاع وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو مل گئی تھی اور وہ بغیر کسی پروگرام کے اچانک بہار شریف کے دورے پر پہونچ گئیں۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا نیز اسپتال میں زخمیوں سے اور ریلیف کیمپ میں پناہ گزینوں سے ساری تفصیلات اپنے کانوں سے سنیں۔ اس کے بعد ہی مقامی انتظامیہ خواب سے بیدار ہوئی اور ریاستی حکام حقائق سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت کر سکے۔ پانچ مجسٹریٹ اور سات پولیس افسر فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کے مجرم پائے گئے اور انہیں فوراً معطل کر دیا گیا۔ سی۔ آر۔ پی اور بارڈر سکیوریٹی فورس کے جوان بڑی تعداد میں لائے گئے اور پولیس کو واپس لے کر ان کو اہم علاقوں میں تعینات کر دیا گیا۔ اس کے بعد ۵ رمئی سے حالات آہستہ آہستہ سدھرنے لگے۔ بلوائیوں کو بھی اندازہ ہوگیا کہ انھیں کھل کھیلنے کی جو مہلت ملی ہوئی تھی شاید اب وہ ختم ہو جائے گی۔ اس لئے انھوں نے ۸ رمئی کی شب میں بھرپور تیاری کے ساتھ مسلم محلوں پر حملے کئے تاکہ باقی کسر بھی پوری ہو جائے لیکن اس دن بارڈر سکیوریٹی فورس اور سی۔ آر۔ پی کے دستوں نے نہ صرف مزاحمت کی بلکہ کہیں کہیں ان کے خلاف جوابی اقدام بھی کیا جس سے ان کے حوصلے پست ہوگئے اور اب شہر میں امن بحال ہو چکا ہے اور اطراف سے بھی اکا دکا حملوں اور آتشزنی کی وارداتوں کے علاوہ کسی بڑے واقعہ کی خبر نہیں ملی ہے۔

ریاستی حکومت نے ہلاک ہونے والے کے ورثا کو فی خاندان دس ہزار روپے دینے کے علاوہ ان گاؤں میں جہاں بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا ہے ان پر ۳۵ ہزار سے ایک لاکھ روپے تک اجتماعی جرمانہ عائد کرنے کا اعلان کیا ہے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۴۹ افراد ہلاک اور ۷۰ افراد زخمی ہوئے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اپوزیشن لیڈر کرپوری ٹھاکر نے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے دو سو تک بتائی ہے۔ سخت کشیدہ اور مخدوش صورت حال کے سبب بہت سے گاؤں کے صحیح اعداد و شمار دستیاب نہیں ہو پائے ہیں۔ سبھی متاثرہ گاؤں کا تفصیلی دورہ اور سروے کے بعد ہی جانی اور مالی نقصانات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ ویسے محتاط اندازے کے مطابق جانی نقصان دو سو سے زیادہ ہوا ہے اور زخمیوں کی تعداد بھی ڈیڑھ سو سے کم نہیں۔

اب جب کہ حالات آہستہ آہستہ قابو میں آتے جا رہے ہیں فوری مسئلہ فساد سے متاثر ہونے والوں کی امداد اور آبادکاری کا ہے لگ بھگ دو ہزار افراد نے تین کیمپوں میں پناہ لے رکھی ہے۔ پہلا بڑا کیمپ نالندہ کالج میں ہے جس میں بارہ سو افراد کو پناہ دی گئی ہے۔ سرکار نے ان کو دیکھ بھال اور کھانے پینے کا انتظام کرا دیا ہے۔ دوسرا کیمپ خانقاہ محلہ میں منو بابو کے احاطہ میں ہے اور تیسرا کیمپ خانقاہ کے اندر ہے۔ ان دونوں کیمپوں میں بھی ایک ہزار کے لگ بھگ لوگ ہیں۔ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضرورتوں کی کفالت مسلمانوں نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ حکومت کو سرکاری کیمپ اور غیر سرکاری کیمپ کا امتیاز ختم کرکے سبھی متاثر اور ضرورت مند افراد کو مدد دینی چاہئے۔ کیمپوں میں جن لوگوں نے پناہ لے رکھی ہے ان کے علاوہ بھی بہت سے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے یہاں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ راجگیر روڈ پر موضع سبیت میں بھی آس پاس کے گاؤں کے بہت سے خاندانوں نے پناہ لے رکھی ہے۔ مشہور بستی پنہسہ کے لوگ بھی سبیت میں منتقل ہوگئے ہیں۔ اگرچہ ان کے گاؤں میں کوئی بڑی واردات نہیں ہوئی ہے، تاہم حفاظت کے خیال سے یہ سب یکجا ہوگئے ہیں۔

جن لوگوں کا سب کچھ لٹ پٹ گیا ہے ان کے لئے کھانے پینے کے سامانوں کے علاوہ روزمرہ کے کام آنے والے سامانوں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جیسے کھانا بنانے کا برتن، پلیٹ، گلاس یا مگ یا لوٹا، پہننے

بقیہ ص

"چنگیز کے وارث"

از: کیفی بلرام پوری

(۱) کج رو ہے کم نگاہ ہے یہ جانتے رہو
کم ظرف ہے سیاہ ہے یہ جانتے رہو
مشکل یہاں نباہ ہے یہ جانتے رہو
دنیا فساد گاہ ہے یہ جانتے رہو
جینے کا اس کو حق ہے جو طاقت میں فرد ہے
یہ فلسفہ تو اب بھی زمانہ کا درد ہے

(۲) روسی بڑے شریف بہت خوش نگاہ ہیں
ہر انجمن میں نیک بڑے خیر خواہ ہیں
قوموں کے دوست صلح پرستی کی راہ ہیں
کمیونزم ان کا دین ہے عالم پناہ ہیں
مدت سے اس فریب میں ہم مبتلا رہے
معلوم اب ہوا کہ حقیقت کچھ اور ہے

(۳) ان کا بھی دین ہٹلر اعظم کا دین ہے
سفاک تر ہیں کہنے کو لہجہ متین ہے
ان کی نظر میں ہند ہے ایران و چین ہے
ان کا فریب بد ہی نہیں بدترین ہے
مقصد ہے جنگ چہروں پہ غازہ ہے امن کا
ملکوں کی لوٹ ان کا بھی پیشہ ہے برملا

(۴) یہ انقلاب دوست ہیں روشن ضمیر ہیں
ظالم نہیں ہیں کہتے ہیں ہم دستگیر ہیں
ان کی کوئی مثال نہیں بے نظیر ہیں
مزدور کے امام غریبوں کے پیر ہیں
دشمن خدا کے اور خدا کی زمین کے
مکاریوں کے روپ میں پتلے مشین کے

(۵) ان کے پڑوسیوں پہ ہے ان کا بڑا کرم
یہ دوستی کے نام پہ بڑھتے ہیں سو قدم
سایہ میں اپنے لینے کو چیخیں کے دم بدم
"امریکیوں سے دور رہو آرہے ہیں ہم"
پھولوں سے جو بھرا ہے وہ دامن ہمیں تو ہیں
ہاں سامراج واد کے دشمن ہمیں تو ہیں

(۶) تہذیب کا تمہیں نیا نقشہ دکھائیں گے
ہم مسکراہٹوں کے خزانے لٹائیں گے
کیا دوستی کے نام کو بٹہ لگائیں گے
اک بار آگئے تو کبھی پھر نہ جائیں گے
توپیں، جہاز جو بھی کہو تم کو بخش دیں
کمزوریوں کو ڈھونڈھنے والے ہمیں تو ہیں

(۷) جب جنگری نے سر کو اٹھایا تو ڈس لیا
شکوہ جو ڈوب چک نے سنایا تو ڈس لیا
برلن جب اپنے ہوش میں آیا تو ڈس لیا
کابل نے ہاتھ اپنا بڑھایا تو ڈس لیا
ہم ان کو جانتے ہیں یہ ہم کو لڑائیں گے
پھر دوستی کے بھیس میں بھارت بھی آئیں گے

(۸) جس طرح شعبدوں کو دکھاتا ہے بازی گر
تم انقلاب بیچتے پھرتے ہو در بدر
ہر مکتب خیال کو ڈستے ہو سر بسر
مذہب ہر اک برا ہے تمہاری نظر نظر!
جو تم کو مانتا نہیں رجعت پرست ہے
جو جھوٹ جانتا نہیں رجعت پرست ہے

(۹) ہر ملک کا خریدتے پھرتے ہو علم و فن
شاعر، ادیب سب کو بناتے ہو بد چلن
تم نے تو عام کر دیا عیاشیوں کا فن
انسانیت کا بیچتے پھرتے ہو اب کفن
ہٹلر سے مل کے پہلے تو پولینڈ کھا گئے
جب خود پٹے تو سایۂ مغرب میں آگئے

(۱۰) آزادیوں کے ملک کے غم خوار آگئے
خوش خلق، خوش مزاج خوش اطوار آگئے
افغانیوں کے بن کے وفادار آگئے
لو دوستی کے روپ میں فن کار آگئے
توپیں گرج رہی ہیں بڑی آن بان سے
یہ امن کے پجاری ہیں نکلے ہیں شان سے

(۱۱) توپوں میں پل رہا ہے یہی دوستی ہے کیا؟
قندھار جل رہا ہے یہی دوستی ہے کیا؟
غزنی ابل رہا ہے یہی دوستی ہے کیا؟
کابل پگھل رہا ہے یہی دوستی ہے کیا؟
جو عزم ہے تمہارا وہ نادانیوں کا ہے
یورپ نہیں ہے ملک یہ افغانیوں کا ہے

(۱۲) مقصد تمہارا صاف ہے تم چاہتے ہو کیا
کچھ اور پھیلنے کے لئے راستہ ملا
مدت سے جس کی چاہ تھی وہ تم کو مل گیا
ہو زار کے غلام چلو یہ پتہ چلا
گو دوستی کے راگ میں خود ساختہ ہو تم
پر جھوٹ بولنے میں بھی بے ساختہ ہو تم

(۱۳) عربوں سے ان کو پیار ہے ظاہر میں صاف ہیں
یوں تو یہودیوں کے یہ بالکل خلاف ہیں
چہروں پہ نور لہجہ حسین شین قاف ہیں
لیکن حقیقتوں میں رخوں پر غلاف ہیں
غدّاریوں میں ان کا بھی لکھا ہے نیک نام
تسلیم کر چکے ہیں یہ اسرائیلی نظام

(۱۴) یہ بھی اثر بڑھائیں گے طاقت کے زور پر
کمزور کو دبائیں گے طاقت کے زور پر
سرحد نئی بنائیں گے طاقت کے زور پر
ملکوں کو لوٹ کھائیں گے طاقت کے زور پر
مقصد ہے ان کا آگ یہاں بھی لگائیں گے
اب "گرم پانیوں" کے سمندر میں آئیں گے

(۱۵) کہتے ہیں یہ کہ خوب ہوا کیوبا اپنا ہے
ہٹلر سے جو ملا تھا وہ سب حصہ اپنا ہے
ہر دوستی کے نام کا مفروضہ اپنا ہے
آئے اثر میں ہند یہ منصوبہ اپنا ہے
افغان "دوستی کے سمندر" میں آ گئے
ہم نے تو انقلاب کے دریا بہا دئے

(۱۶) سب کچھ ہے ان کے پاس مگر بھوک سے نڈھال
"امداد باہمی" میں دبا مارکس کا خیال
ترکوں کو کھا چکے ہیں یہ ماضی میں خوش خصال
افغانیوں پہ پھینک دیا دوستی کا جال
آئیں گے یہ بھی درۂ خیبر کے راستے
پنجاب پر نگاہ ہے گیہوں کے واسطے

(۱۷) لیکن رہے خیال کر سستے نہیں ہیں ہم
پنجہ میں رنگ و بو کے سسکتے نہیں ہیں ہم
اوروں کا ملک لوٹ کے ہنستے نہیں ہیں ہم
اور دوستی کے نام پہ بکتے نہیں ہیں ہم
اچھی بری نگاہ کو پہچانتے ہیں ہم
تم بے اصول دوست ہو یہ جانتے ہیں ہم

(۱۸) سودا ہے سر میں تم بھی بڑے پُر غرور ہو
اور نشۂ فریب تمنا میں چور ہو
دم دوستی کا کہنے کو بھرتے ضرور ہو
فوجیں ہٹاؤ غزنی و کابل سے دور ہو
ہم تم کو جانتے ہیں کہ کتنے دلیر ہو
تم دوستوں کے ملک ہڑپنے میں شیر ہو

بقیہ صفحہ ۲۲: نماز کی لذت

کرتے، نماز پڑھتے وقت اتنا روتے کہ منھ بھیگ جاتا اور قرأت بلند آواز سے کرتے۔ یہ کیفیت دیکھنے کے لئے مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے جمع ہوتے۔ ظاہر ہے کہ دل کی آواز دل کو متاثر کرتی ہے۔ "ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد" حضرت ابو بکرؓ کی نماز خود ایک تبلیغ کا ذریعہ بن گئی۔ مشرکین مکہ نے جمع ہو کر ابن دغنہ سے شکایت کی کہ تم نے حضرت ابو بکر کو پناہ دی مگر یہ اپنی نماز سے ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں کو فتنہ میں مبتلا کر رہے ہیں، گھر میں مسجد بنالی ہے ابن دغنہ نے حضرت ابو بکر سے شکایت کی حضرت نے فرمایا کہ تم اپنی پناہ واپس لے لو۔ میں تو نماز اسی طرح پڑھوں گا۔

مذاہب عالم کی تاریخ میں عبادت کا ایسا عمدہ طریقہ کہیں نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کی جو کیفیت نماز میں ہے وہ کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔

خود مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام اپنے گھر بلاتے اور آپ سے درخواست کرتے کہ ہمارے گھر آکر کسی گوشہ میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ وہیں ہم بھی اپنی نمازیں ادا کریں۔ اس کو وہ مسجد کہتے۔ یعنی ہر گھر میں نماز کے لئے ایک مخصوص جگہ متعین ہوتی وہیں لوگ نماز پڑھتے چونکہ اُس وقت شمع نبوت روشن تھی، برکت کے لئے صحابۂ کرام آپ سے درخواست کرتے اور آپ ان کے گھروں کو جاکر کسی مخصوص جگہ نماز ادا کرتے پھر صحابہ وہیں نماز پڑھا کرتے۔

دعاء مغفرت

جناب نصیر احمد فاروقی سابق اعزازی لائف مجسٹریٹ ۵ مئی کو ۹ بجے شب میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فاروقی صاحب کی نماز جنازہ ندوۃ العلماء میں ہوئی، نماز جنازہ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی نے پڑھائی، خصوصی تعلق کی وجہ سے معذوری کے باوجود مولانا محمد منظور نعمانی نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔

مرحوم ایک مخلص اور شریف النفس آدمی تھے اور دینی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے، مرحوم کا حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی سے عقیدتمندانہ تعلق تھا وہ اپنے فرزندوں کے ساتھ وزیر علی اینڈ سنس کے نام سے ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے اور اس وقت بھی ان کے ذمہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ جدید کی تعمیر کی ذمہ داری ان کے سپرد تھی، جو ان کے لڑکوں کی نگرانی میں انجام پا رہی ہے۔ اسی میں تاریخی مذاکرہ ادبیات اسلامی منعقد ہوا تھا، ان کے پس ماندگان میں نسیم احمد فاروقی اور وسیم احمد فاروقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

امریکہ میں ......
پہلے مسلمان جج کا تقرر

قرآنی تعلیمات میری رہنمائی کرتی ہیں

الحاج آدم عبد الشکور

الحاج آدم عبد الشکور

امریکہ اور کینیڈا کے پہلے مسلمان جج جن کا تقرر گورنر نے کیا ہے ڈیٹرائٹ کامن پلیز کورٹ میں جب لوگ مقدمہ لے کر ان کی عدالت میں آتے ہیں تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ [illegible] رہنمائی کرتی ہیں وہ قرآنی تعلیمات ہیں اور میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ہر شخص کے ساتھ انصاف ہونا چاہئے [illegible] الحاج شکور کہتے ہیں انسان فطرتاً [illegible] اس لئے وہ ہمیشہ قانون کو اس کی عمل روح کے ساتھ نافذ نہیں کر سکتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ سب کے ساتھ [illegible] اور مساویانہ سلوک [illegible] الحاج شکور کا تقرر گزشتہ ماہ گورنر ولیم جی ملیکن کے حکم پر عمل میں آیا ہے وہ عام طور پر مالک مکان اور کرایہ داروں کے تنازعات کے مقدمات کی سماعت کرتے ہیں انہوں نے بتایا کہ [illegible] ڈیٹرائٹ کے علاقہ میں رہا ہوں اس لئے کرایہ داروں کی جانب سے [illegible] اور دیواروں کا پلاستر اکھڑنے کے بارے میں ملنے والی شکایات کی حقیقت سے واقف ہیں اور وہ ان مالکان کے مسائل کو بھی [illegible] سمجھتے ہیں جو کرایہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ [illegible] کالج کے دوران ہی اسلام قبول کیا تھا [illegible] میں فریضہ حج ادا کیا۔ انہوں نے بتایا کہ دوران حج [illegible] یکساں کپڑے پہنے ہوتے ہیں [illegible] معلوم ہو [illegible] ترکی کا نائب وزیر اعظم (جس سے شکور کی ملاقات ہوئی تھی) ہے یا کوئی فقیر۔ الحاج شکور کا کہنا ہے کہ وہ اپنی مدت پوری ہونے کے بعد انتخابات میں حصہ لیں گے

شیخ احمد بن عبد العزیز المبارک

علوم وفنون کی ترقی میں
اسلام کا حصہ

جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اسلام کی وجہ سے پیچھے رہ گئے، اور آخر زمانہ میں عربوں میں علمی جمود و تعطل کا سبب قرآن اور اس کی تعلیمات پر عمل بنا حالانکہ وہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے، لیکن ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بغض وکینہ ہے اس کی وجہ سے وہ اسلام سے ناواقف لوگوں کے سامنے اسلام کو بگاڑ کر پیش کرنے کی یہ شنیع حرکت کرتے ہیں اور حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے: پچھلی صدیوں میں مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کا اصل سبب ان کا دین سے دور ہو جانا ہے، نہ کہ نفس دین۔ جس وقت اسلامی حکومت اپنے دستور (قرآن کریم) پر عمل پیرا تھی وہ روئے زمین کی بہترین امت تھی جو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے وجود میں لائی گئی تھی۔ اسلامی تہذیب وتمدن جس کا پرتو دنیا کے تاریک ترین دور میں ایشیا وافریقہ اور یورپ کے بڑے حصہ پر پڑا اور اس نے اس وقت جب یورپ مسلمانوں کے علوم وفنون کا محتاج تھا یورپ کی تہذیب کو بنانے میں حصہ لیا اور اسے ترقی کی راہ دکھائی اور یورپ نے اپنے یہاں کے لوگوں کو ہر علم وفن کو مسلمانوں سے سیکھنے کے لئے بھیجا، خواہ وہ علم طب ہو کہ کیمیا، علم الفلکیات ہو کہ علم النباتات، فلسفہ وتاریخ ہو کہ جغرافیہ وعلم الطبیعۃ۔ مثلاً امام رازی، ابن سینا، ابن رشد، ابن خلدون، ابن حیان، ابن بطوطہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا جن کا تاریخ میں نمایاں طور پر ذکر ہے۔ جو شخص اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہے اگر اس سے ذرا بھی واقف ہو جائے تو اپنے خیالات پر قطعی طور پر نظر ثانی کرے گا اور اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ دین اسلام علم وعمل کا دین ہے، سستی وجمود کا دین نہیں۔

اے آمدنت باعث آبادی ما!

حضرۃ الاستاذ مولانا محمد ناظم ندوی سابق ادیب اول ومہتمم دار العلوم عرصۂ دراز کے بعد ندوہ تشریف لائے۔ حضرت موصوف موجودہ ندوی اساتذہ کے محبوب وہر دلعزیز استاد ہیں۔ اور ندوہ سے انکا تعلق برابر قائم رہا۔ حضرت مخدوم ومربی مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے ہم عمر، دوران تدریس کے رفیق، علمی وادبی ذوق میں ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے مولانا کی آمد حضرت مولانا کیلئے خصوصی مسرت کا باعث ہوئی۔ تمام طلبۂ واساتذۂ ندوہ نے مولانا محمد ناظم صاحب مدظلہ کا پرجوش استقبال کیا۔ قدیم اساتذہ اور نئے اساتذہ جنھیں مولانا سے براہ راست تلمذ کا شرف حاصل نہیں تھا کی درخواست پر مولانا نے حجۃ اللہ البالغہ اور دلائل الاعجاز کے درس دیے تاکہ سبھوں کو ان سے تلمذ کی نسبت ہو جائے۔

استاد گرامی مولانا محمد ناظم صاحب مدظلہ عربی نحو وبلاغت اور تحقیق مفردات میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ مولانا ندوہ کے سیمینار میں شرکت کیلئے پاکستان سے تشریف لائے تھے۔ حفظہ اللہ فی حلہ وترحالہ۔

عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح

از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

ایک فکر انگیز اصولی کتاب، جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ دین کے فہم وتفہیم کا وہ کیا نیا انداز ہے جس سے عبد ومعبود کا ہمہ گیر، وسیع وعمیق وجامع تعلق ورشتہ جو اسماء وصفات الٰہی کا صحیح پرتو اور انبیاء علیہم السلام کی جامع تعلیم وتربیت کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے اور جس سے خدا طلبی، محبت الٰہی، فکر آخرت اور ایمان واحتساب کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے "حاکمیت الٰہ" اور "سلطانی رب" میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور ایمانیات وعبادات "وسائل وذرائع" نظر آنے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک نیا دینی مزاج وجود میں آتا ہے اور فکر وعمل کی گاڑی دعوت انبیاء کی پٹری سے ہٹ کر سیاسی واجتماعی تنظیمات اور مادیت کی پٹری پر پڑ جاتی ہے۔

امت کی نشاۃ ثانیہ کی کوشش کرنے والوں اور دین کی فکر رکھنے والوں کے لئے (خواہ وہ کسی جماعت وتنظیم سے تعلق رکھتے ہوں) غور وفکر احتساب نفس وجماعت کے ساتھ بار بار پڑھنے کی کتاب۔

دوسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ، نفیس کتابت وطباعت۔ علاوہ محصول ڈاک قیمت سات روپے۔

ملنے کا پتہ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ لکھنؤ

مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی

(از: حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی الندوی۔)

اردو میں (اور غالباً عربی زبان میں بھی) اپنے موضوع پر نئی اور منفرد کتاب، وسیع اور عمیق مطالعہ، تدریسی تجربہ، اور تدبر قرآن پر مبنی ہے، فکر انگیز اور معلومات افزا ہونے کے ساتھ، قرآن کی عظمت واعجاز پر یقین پیدا کرنیوالی اس سے نفع وہدایت حاصل کرنے کا طریقہ اور اس کی تلاوت وتدبر کے آداب بتانے والی کتاب، جو کچھ کہا گیا ہے اس کو خود قرآن کی روشنی میں اور اس کی مدد سے اور سلف اور اکابر امت کے واقعات کے آئینہ میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے عربی مدارس کے طلبہ واساتذہ اور قرآن مجید کے عالم طالب علموں کے لئے ایک مفید چشم کشا۔

صفحات ۱۹۶ آفسٹ کی کتابت وطباعت

قیمت ۱۲ بارہ روپئے۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ اسلام نمبر ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ